نایاب جیلانی

باہر چمکتی دھوپ کا راج تھا۔ گرم لو کے تھپیڑوں نے گویا ہر شے کو جھلسا کر رکھ دیا تھا۔ میں نے کھڑکی کے پردے ہٹا کر باہر دیکھا۔ یوں لگ رہا تھا گویا میرا دل سینہ توڑ کر گرم اور جھلسا دینے والی زمین سے لپٹ لپٹ کر بین کر رہا ہے۔

ابھی کچھ دیر پہلے مما مجھے بہت سمجھاتی بجھاتی رہی تھیں۔ زندگی کے نشیب و فراز، اتار چڑھاؤ۔ مگر میں انہیں بھلا کیا بتاتی۔ میرا دل تو آتش کدہ بنا ہوا تھا۔ میں مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی مجرم بنادی گئی تھی۔ میرے لیے اس حقیقت کو تسلیم کرنا خودکشی کے برابر تھا۔

آج آٹھواں دن تھا اور مجھے لگتا تھا، گویا میں صدیوں کی مسافت طے کر کے آئی ہوں۔ میرا انگ انگ تھکن زدہ تھا۔ آنکھیں گویا رو رو کر تھک چکی تھیں۔

میں بھلا کس کا گریبان پکڑتی، کسے مجرم ٹھہراتی۔ میری بات پر بھلا کس نے ایمان لانا تھا۔ میں مما کو کچھ بتا ہی تو نہیں پائی تھی۔ بھلا بتاتی بھی کیا؟ یہ میرا اپنا ہی تو فیصلہ تھا۔ مما نے مجھے کس قدر سمجھایا تھا مگر میں اپنی سادگی میں کچھ سمجھ ہی نہیں پائی۔

مجھے چہرے پڑھنے کا دعوا تو کبھی نہیں رہا تھا مگر میں حیران تھی کہ بعض لوگ کس طرح صورت بدل بدل کر سامنے آتے ہیں۔ ہر دفعہ ان کا نیا چہرہ نظر آتا تھا۔

مکمل ناول

ایسا چہرہ جو کسی بھی سادہ دل رکھنے والے کو دھوکے میں مبتلا کر سکتا تھا۔

میری سادگی میرے لیے ہمیشہ نقصان کا باعث بنی تھی مگر اس دفعہ تو میرے دل کا نقصان ہو گیا تھا' یوں لگتا تھا گویا کسی نے میرا دل نوچ کر کسی پتھر کے نیچے رکھ کر کچل دیا ہے۔

مجھے اس سے بے تحاشا محبت جو ہو گئی تھی اور میں نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ وہ مجھ سے کبھی اس طرح کسی اور کی جھوٹی داستان سن کر بدگمان ہو جائے گا۔ اس کی بدگمانی کے گھاؤ نے میرے دل میں نیزے اتار دیے تھے۔

مگر میرے ساتھ بھلا ہوا کیا تھا ؟

☼ ☼ ☼

ان دنوں میرے ستارے گردش میں تھے۔ نجانے کس منحوس گھڑی میں دو ماہ سے ڈیڈ پڑا فون خود بخود ٹھیک ہو گیا تھا اور مما تک یہ منحوس خبر بغیر کسی دشواری کے پہنچ چکی تھی۔ سدا کی کمینی 'فسادن اور بلا کی کم ظرف غانیہ کے ہلکے پیٹ میں میرے یعنی ساحیہ مراد کے متعلق "خبر" بھلا کیسے ٹھہر سکتی تھی' مما کو فون کھڑکا کر میری شان دار کامیابی کی اطلاع پہنچا دی تھی۔

"خالہ! ساحی میٹرک میں ہیٹ ٹرک مار چکی ہے۔ اس مرتبہ بھی سابقہ ریکارڈ قائم رکھا ہے محترمہ خیر سے صرف تین مضمون کلیئر کر سکی ہیں۔ باقی سب میں گول انڈا، لگتا ہے پرچوں میں نہاری' جلیبی' اور گلاب جامن کی ترکیب لکھ کر آئی تھی۔"

فون تو بند ہو چکا تھا اور مما جوتے سے میری دھنائی کرنے کے بعد صوفے پر بیٹھی ہانپ رہی تھیں۔ غم و غصے سے ان کا سرخ و سفید چہرہ تمتما رہا تھا۔ سبز آنکھوں سے شعلے لپک رہے تھے۔ یونیورسٹی کی پوزیشن ہولڈر میری پیاری مما کا صدمے کے مارے برا حال تھا۔

"بے شرم! چلو بھر پانی میں ڈوب مرو۔ انیس سال کی ہو چکی ہو۔ ابھی تک میٹرک میں اٹکی ہو۔ تمہارے ساتھ کی گریجویشن اور ماسٹرز کر کے دو' دو بچے بھی کھلا رہی ہیں۔"

"آپ کی سستی کی وجہ سے لیٹ ہو رہی ہوں۔ ورنہ اس وقت آپ بھی نانو بن چکی ہوتیں۔" میں نے افسوس کے عالم میں مما کو گزرتے وقت کا احساس دلانا چاہا تھا۔ مما جلبلا کر دوسرا جوتا اتارنے لگیں۔

"سوری مما!" میں فوراً" صوفے کی اوٹ میں کشن اٹھا کر کھڑی ہو گئی تھی۔ مما میری بے حیائی کے اس عظیم مظاہرے کو ملاحظہ کرنے کے بعد نجانے کس سوچ میں گم ہو چکی تھیں۔

میری نظریں مما کے خالی پیروں پر تھیں۔ سو میں اطمینان سے صوفے پر ڈھے گئی۔ عام حالات میں وہ جوتے کے ساتھ پھینٹی لگانا مینرز کے خلاف سمجھتی تھیں۔ عام حالات میں تو محض مجھے گھوریوں سے ہی نواز دیا جاتا تھا۔ اور مما کی گھوریوں کا اثر ہی اس قدر ہوتا تھا کہ میں فوراً" ہی حواس باختہ ہو جاتی۔ اگرچہ مما کو یہ پسند نہیں تھا کہ وہ میری جوتے کے ساتھ دھنائی کریں مگر خیر سے "معاملہ" ہی کچھ ایسا تھا کہ وہ بھی کہاں تک ضبط کرتیں۔

میٹرک میں مجھے تیسرا سال لگ چکا تھا۔ میری کلاس فیلوز اور کزنز وغیرہ مجھ سے کہیں آگے نکل چکی تھیں' مگر میں اپنے کند ذہن کو بھلا کہاں سے پالش کراتی اور پھر سائنس دانوں کی "بکواس" میرے دماغ میں سماتی ہی نہیں تھی۔ نجانے کتنے ہی ٹیوٹر میری نالائقی سے گھبرا کر دوسرے ہی دن بھاگ گئے تھے۔ مجھ جیسی کند ذہن' نالائق' کوڑھ مغز کے ساتھ بھلا دماغ کھپانے کی ضرورت ہی کیا تھی' جسے طبیعات کے تعارف کی الف' ب بھی نہیں آتی تھی۔

باقی مضامین میں بھی میری دلچسپی ایویں سی تھی۔ ریاضی کو دیکھ کر تو مجھ پر زلزلہ طاری ہو جاتا تھا۔ ابھی پچھلے دنوں یہی کوئی چار پانچ ماہ پہلے فزکس کی تیاری کرواتے ہوئے' میری جان سے پیاری غانیہ نے اچانک میری ذہانت کو جانچنے اور جو کچھ پڑھایا تھا اس کا ٹیسٹ لینے کی غرض سے پوچھا۔

"ساحی! دس منٹ کے اندر اندر جواب دیتی جانا' آج تمہیں پڑھا کر میں نے اسود کی طرف جانا ہے۔ وہ میرے لیے کافکا اور چیخوف کی کتابیں لے کر آیا ہے۔ اور میں وہ کتابیں پڑھنے کے لیے سخت بے چین ہو رہی ہوں۔"

غانی کے منہ میں پانی بھر آیا تھا۔ ان فضول کتابوں کے نام لے کر گویا پوری کچوری اور خطائی کا ذائقہ اس کے منہ میں گھل گیا تھا۔ میرے منہ کے زاویے اسود کا نام سن کر ہی بننے' بگڑنے لگے تھے۔ منہ میں گویا کڑوے بادام آ گئے۔ حالانکہ یہ چاکلیٹی ہیرو جیسا کزن فرینڈز کے درمیان گردن اکڑانے اور دوستوں کے درمیان ویلیو بنانے کا سبب تھا۔

"چھوڑو بھی غانی! جس رائٹر کا نام ہی اتنا خوف زدہ کر دینے والا ہو۔ اس کی تصنیف کتنی بکواس ہو گی۔ بھلا یہ بھی کوئی نام ہوا چیخوف .... یعنی نرا خوف ہی خوف۔ اور یہ فرانز کافکا۔ ایسے لگتا ہے۔ جیسے پرانز اور کانٹے یعنی فورک کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ ہائے غانی! مجھے تو بھوک بھی لگ گئی ہے۔" میں نے پیٹ پکڑ کر دہائی دی تو غانی نے ہاتھ میں پکڑی کتاب میرے سر پر دے ماری۔

"بھوسا بھرا ہوا ہے یہاں۔" کتاب کے وزن سے میرے دماغ کی چولیں ہل کر رہ گئی تھیں۔ اوپر سے غانیہ کا موڈ بگڑ گیا تھا۔

"تمہیں ٹھیک ہی باورچن' دھوبن اور درزن کا خطاب دیا گیا ہے۔ تمہارا دماغ پڑھنے کی طرف نہیں مائل ہونے والا۔ پکانے اور کھانے کے علاوہ کچھ نہیں سوجھتا۔ کھا کھا کر ایک دن غبارے کی طرح پھٹ جاؤ گی۔ موٹی!" غانی میری اچھی صحت پر چوٹ کرنے سے باز نہیں آتی تھی اور کھانا پکانے کے طعنے دینا تو مما اور ان کی پیاری بھانجی غانی کا دیرینہ مشغلہ تھا۔ میں نے تو اکثر ہی ماؤں کو آہیں بھرتے دیکھا ہے کہ ان کی بیٹیاں کچن کے نام سے ہی دور بھاگتی ہیں۔ سینے پرونے کا بھی کوئی شوق نہیں ہوتا۔ گھر کے کام کاج سے الرجک ہوتی ہیں جبکہ مجھ میں سگھڑ خواتین والے سارے جراثیم پائے جاتے تھے۔ مگر میرے ہاتھ میں جھاڑو دیکھ کر مما تنتنا اٹھتی تھیں۔

"کبھی اسی شوق اور جذبے سے کتاب بھی پکڑ لیا کرو۔" یہ طعنہ تو مما کی نوک زباں پر ہر وقت مچلتا رہتا تھا۔ نجانے مما بھی کیسی ماں تھیں۔ یعنی میں جو ایکسٹرا میڈ کی خدمات سرانجام دیتی تھی۔ ان کی مما کے نزدیک اس کی کوئی ویلیو نہیں تھی۔

"ساحیہ مراد! میں آپ سے پوچھ رہی ہوں۔ علم موسیقی اور آواز پر سائنسی دریافتیں کرنے والے سائنس دان کا نام بتاؤ جو کہ تیسری صدی ہجری میں بصرہ میں پیدا ہوا تھا۔" مجھے سوچوں میں الجھا دیکھ کر غانی نے کافی ناراضی کے عالم میں اپنا سوال دہرایا۔

"تیسری صدی ہجری میں کون پیدا ہوا تھا؟" میں نے یادداشت کے سارے خانے کھنگالنے شروع کر دیے تھے۔

"کون سی ایسی کھانے والی چیز کے نام سے ملتا جلتا نام تھا۔ علم موسیقی کو دریافت کرنے والے سائنس دان کا...." میں زیر لب بڑبڑاتے ہوئے سخت ٹینشن میں مبتلا ہو چکی تھی۔

"ساحی! غانی کے ضبط کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا اور میرے منہ سے اچانک نغمہ برآمد ہوا۔ "شکر قندی' یعنی الکندی۔"

"بھاڑ میں جاؤ تم .... ایک سوال کے جواب میں پندرہ منٹ برباد کر دیے ہیں۔ پیپر میں نجانے تم کیا کرو گی۔" غانی درست جواب سن کر بھی منہ پھلائے بیٹھی رہی۔

"سوری غانی!" میں نے بھی غلطی تسلیم کر کے معافی مانگنے میں دیر نہیں کی تھی۔

"آخری جواب بتاؤ' پھر جان چھوٹ جائے گی تمہاری۔ ویسے بھی "کہر" لگنے والا ہے۔" غانی میری دلی کیفیات سے واقف تھی۔ تب ہی تو میرے فیورٹ ڈرامے کا ذکر کیا تھا۔

"پوچھو" میں نے شان بے نیازی سے جواب دیا۔

"حالت سکون سے چلنے والی کار کی ابتدائی ولاسٹی کتنی ہوتی ہے؟"

"یہ ولاسٹی صفر ہوتی ہے۔" میں نے بھی نظر بچا کر کتاب میں سے اچک کر دیکھا اور جھٹ سے جواب بھی دے دیا تھا۔ غانی کون سا میری طرف متوجہ تھی۔ اپنا ہینڈ بیگ کھولے ببل کا پیکٹ نکال رہی تھی۔ سو میرا بھی کام چل گیا اور آج ان ہی چھوٹی موٹی "چوریوں" کا خمیازہ فیل ہونے کی صورت میں بھگت رہی تھی۔

مما نے کافی سوچ بچار کرنے کے بعد سر اٹھا کر میری طرف دیکھا تھا اور پھر بولیں۔

"ساحیہ! کتابیں سمیٹ کر نیچے آجاؤ۔ میں تمہاری پیکنگ کرنے لگی ہوں۔"

"مگر کیوں مما!" میں حیران پریشان ہی تو رہ گئی تھی۔

"تم نبیلہ کے پاس جا رہی ہو۔" انہوں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"پھوپھو کے پاس مگر کیوں؟" اپنی ہٹلر ٹائپ پھوپھو کے پاس جانے کے متعلق سوچ کر ہی میں لرز اٹھی تھی۔

"اس لیے کہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔"

"مما پلیز!" میں منمناتی رہ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ڈیڈی! مما مجھے اسلام آباد بھجوانے لگی ہیں۔" ڈائننگ روم میں گھستے ہی میں نے دہائی دینا شروع کر دی تھی۔ تائی امی یعنی بڑی مما اور ڈیڈی (تایا ابو) آدھا گھنٹہ پہلے ہی گھر آئے تھے۔ دونوں عماد بھائی کے بیٹے کو دیکھنے کراچی گئے ہوئے تھے۔ عماد بھائی ڈیڈی کے اکلوتے بیٹے تھے اور میں اپنے پاپا اور مما کی اکلوتی بیٹی۔ بس یہی ہمارا مختصر سا خاندان تھا۔

عماد بھائی مجھ سے پندرہ سال بڑے تھے۔ ان کی شادی کو نو سال ہونے والے تھے اور ان کے ہاں تیسرے بیٹے کی ولادت ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے دو ماہ بعد بڑی مما اور ان کی واپسی آج ہی ہوئی تھی۔ اور میرے فیل ہو جانے والے کارنامے کے متعلق بھی انہیں پتا چل چکا تھا۔

"سائرہ! ہماری بیٹی کو اتنی دور مت بھجواؤ۔ بھلا اس چہکتی مینا کے بغیر ہم رہ پائیں گے۔" ڈیڈی فوراً" جذباتی ہو گئے تھے۔

"بھائی جان! اس نالائق کو نبیلہ ہی سدھار سکتی ہے۔ شاید میٹرک میں یہ پاس ہو ہی جائے۔" مما بھی جذباتی ہو گئی تھیں اور مجھے بھی کر دیا تھا۔

"مجھے آرٹس پڑھنے دیتیں تو یہ دن دیکھنا نہ پڑتا۔"

"زبان بہت چلتی ہے تمہاری۔ دماغ کو بھی کبھی زحمت دے لیا کرو۔" مما کو میرا بیچ میں بولنا قطعاً" نہیں بھایا تھا۔

"سائرہ! ساحی ٹھیک کہہ رہی ہے۔ بچے کا شوق اور دلچسپی بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔" ہمیشہ کی طرح پاپا اور ڈیڈی میری حمایت میں بولے تھے۔

"آپ کی ان ہی باتوں نے اس کا دماغ خراب کر رکھا ہے۔" مما کا موڈ آف ہو چکا تھا۔ میں نے بمبئی بریانی اور تکہ بوٹی سے خوب انصاف کیا اور دعا پڑھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔

صبح ہر صورت مجھے اسلام آباد جانا تھا اور آج کی رات میں جی بھر کر سونا چاہتی تھی۔ بد قسمتی سے میں مما اور پاپا کی اکلوتی اولاد تھی۔ اگر ان کے اور بھی تین چار بچے ہوتے تو شاید مما کی توجہ بٹ جاتی۔ مگر ہمارے خاندان میں بچوں کا فقدان تھا بلکہ قحط کہنا مناسب ہو گا۔

اللہ بخشے دادی مرحومہ جب زندہ تھیں تو مما اور بڑی مما کی ہر وقت شامت آئی رہتی تھی۔ انہیں اس بات کا بہت قلق تھا کہ ان کی اولاد کی بہت کم اولاد ہے۔ بڑی مما ایک بیٹے کی ماں تھیں۔ اسی لیے ان کی کچھ بچت ہو جاتی تھی۔ البتہ میری مما پر تو دادی کا اکثر و بیشتر عذاب نازل ہوتا رہتا تھا۔

"سائرہ نے اس "شیرنی" کو پیدا کر کے گویا کے ٹو کا پہاڑ سر کر لیا ہے۔" دادی بھی میری اچھی صحت سے خاصا جلتی تھیں۔ یہی حال نبیلہ پھوپھو کا تھا۔

"دماغ کو زحمت جو نہیں دیتی۔ اسی لیے گوشت کا پہاڑ بنتی جا رہی ہے۔"

انہوں نے میرے بھرے بھرے سڈول سراپے کو گوشت کے پہاڑ سے تشبیہ دے کر میرے نازک جذبات کو بری طرح سے مجروح کر دیا تھا۔ اپنی تو صرف دو ہی منحنی سی تاڑ کی طرح لمبی، سوکھی بانس جیسی دو بیٹیاں تھیں اور ڈگریاں میرے حصے کی بھی اکٹھی کر رکھی تھیں۔ اس طرح کے رویوں کی میں بچپن سے ہی عادی تھی۔ میری صحت اور تعلیم، یہ دو ایسے مسئلے تھے جو میرے خاندان والوں کے لیے مسئلہ فلسطین بن چکے تھے۔ نہ تو میں مما، دادی اور پھوپھو کی خواہش کے مطابق اپنی صحت ڈائٹنگ کے شوق میں تباہ کر سکتی تھی اور نہ ہی میٹرک میں مجھ سے پاس ہوا جا رہا تھا۔ یہ دونوں کام یوں لگتا تھا جیسے میرے اختیار سے باہر ہیں۔ کھانا پینا چھوڑ کر میں کیسے ٹی بی کی مریضہ بن سکتی تھی؟

"سوکھی سڑی ہڈیوں کی ڈھانچہ سی ساحیہ مراد بھلا کیسی لگتی؟" یہ سوچ ہی مجھ پر کپکپی طاری کر دیتی تھی۔ سو میں ڈٹ کر تینوں وقت کا کھانا کھاتی تھی۔ مما کی گھوریوں کی پروا کیے بغیر۔۔ اور رہا پڑھائی کا مسئلہ۔۔ تو شاید کسی نہ کسی طرح میرا میٹرک میں اے پلس آجاتا اگر مما مجھے آرٹس پڑھنے دیتیں۔ شاید اس وقت میں اردو ادب یا فائن آرٹ میں اپنا نام بنا چکی ہوتی۔ مگر ہائے میری قسمت، مجھے تو ابھی تک برقی کرنٹ اور مقناطیسیت کے درمیان تعلق کو معلوم کرنے والے کا نہیں پتا تھا کہ وہ فلیمنگ ہے، نیوٹن ہے، فیراڈے ہے یا پھر اورسٹڈ ہے۔

اپنی تازہ ترین بے عزتی پر میں جی بھر کے تلملا رہی تھی۔ اس تلملاہٹ نے تو زندگی بھر میرے ساتھ ہی رہنا تھا اور اب جو نبیلہ پھوپھو کے پاس بھیج کر مجھ بے چاری پر ظلم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے، مگر بھلا ہو میرے پیارے ڈیڈی کا۔ انہوں نے صبح صبح ناشتے کی میز پر ایک جذباتی تقریر کر کے مما کے ارادوں کو ڈانواں ڈول کر دیا تھا۔ تب ہی تو مما نے شمو کو میری پیکنگ کھولنے کا آرڈر دے کر مجھے حد سے زیادہ مسرور اور شاد کر دیا تھا۔

ڈیڈی کی بے پایاں محبت پر پہلے بھی مجھے شک نہیں تھا مگر اب تو اس محبت پر گویا مہر لگ چکی تھی اور ادھر ڈیڈی میرے کان میں کہہ رہے تھے۔

"ان دونوں خواتین کے ہاتھ سے بنے بد مزا کھانے کھا کر ہم نے بھلا مرنا تھا کیا؟ مجھے اپنی بیٹی کے ہاتھ سے بنی کافی پیے بغیر نیند بھلا آسکتی تھی؟"

"مگر ڈیڈی! یہ فزکس اور کیمسٹری۔" میں رو دینے کو تھی۔

"ارے، چولہے میں جھونکو فزکس کو۔ کوئی ضرورت نہیں، ننھی سی جان کو غم لگانے کی۔ اگلے سال آرام سے پیپر دے لینا۔"

پاپا نے لاپروائی سے میرے شانے تھپتھپائے۔ ایسے ہی تو میں اپنے پاپا اور ڈیڈی کے گیت نہیں گاتی تھی۔ انہوں نے کبھی مجھے مایوس ہونے نہیں دیا تھا۔ ان کی ایسی ہی محبت کی وجہ سے میں ابھی تک میٹرک میں اٹکی ہوئی تھی۔ دراصل رزلٹ آنے کے بعد مما مار کٹائی کا پیریڈ لیتی تھیں۔ اور پھر میں تین چار گھنٹے سوگ کی کیفیت میں گزار دیتی تھی پھر میری سوجی سوجی آنکھیں دیکھ کر ڈیڈی اور پاپا جی جان سے میری ہمت بندھاتے تھے۔ ان سے میری ایشوریہ رائے جیسی موٹی موٹی آنکھوں میں آنسو جو نہیں دیکھے جاتے تھے۔

"ساحی! ٹینشن نہیں لینا بیٹے! "گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں" تم ایک دفعہ پھر کوشش کرو، محنت کرو۔" یہ ڈیڈی کے الفاظ ہوا کرتے تھے اور مما سیخ پا ہو جاتیں۔

"بھائی جان! آپ کو کہنے کی ضرورت نہیں، یہاں ٹینشن لی نہیں، دی جاتی ہے۔"

"اگر یہ ٹینشن کیتی تو اس کا طول اور عرض اتنا پھیلا ہوا نہ ہوتا۔" اسود بھائی بھی میری "صحت" کے دشمنوں میں سے تھے۔

"ہونہہ، خود بڑے اسمارٹ ہیں۔" میں نے ناک چڑھائی۔

"بک بک سن لو بس۔" مما غصے سے بولیں۔ "جاؤ، اسود کے لیے چائے بنا لاؤ۔"

"کام کے وقت ساحیہ یاد آجاتی ہے۔" میں کہنے سے باز نہیں آئی۔ "فری سے کہیں، چائے بنا لائے۔" میں نے شان بے نیازی سے کہا۔

"مجھے جوشاندہ نہیں پینا۔" اسود بھائی نے ناگواری سے کہا۔ "ساحی کے علاوہ کوئی اچھی چائے بنا ہی نہیں سکتا۔" اب وہ میری تعریف کر رہے تھے۔ جسے میں سراسر خوشامد سمجھ رہی تھی۔

"مسکہ مت لگائیں۔"

"یہ مسکہ کیا ہوتا ہے؟" وہ حیران ہوئے۔ "اک بات تو سچ ہے۔ میری بہن سے اچھی کوئی چائے بنا ہی نہیں سکتا۔"

"بہن۔" صدمے کی شدت سے میرا دل ڈوبنے لگا۔ نجانے ہر خوبصورت اور قابل لڑکے کو میں بہن ہی کیوں لگتی تھی۔

اگر شادی ہو جاتی تو کم از کم پڑھنا تو نہ پڑتا۔ اور میں واحد ایسی لڑکی تھی جو اپنے لیے بھرے پرے کھانے پینے کے شوقین سسرال کی دعائیں مانگتی تھی۔ جنہیں کھانے ٹھنسا کر میں اپنا گرویدہ بنا لیتی اور کم از کم وہ مجھ سے میری ڈگریوں کے بارے میں نہ پوچھتے۔

مما کے نزدیک میں ساری دنیا کی لڑکیوں سے زیادہ نالائق، جاہل اور کند ذہن تھی۔ مگر دل ہی دل میں وہ میرے سگھڑاپے کی قائل ضرور تھیں۔ میں ہر فن میں طاق تھی اور میرے سگھڑاپے کا سارا کریڈٹ بڑی مما کو جاتا تھا۔ انہوں نے مجھے کوکنگ سے لے کر سلائی کڑھائی تک، ہر فن میں طاق کر دیا تھا۔ مگر مما کے نزدیک میری ان خوبیوں کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ وہ "دبلے لوگوں کے سیاپے" کہہ کر میری ان خوبیوں کو مٹی میں رول دیتی تھیں۔

"ساحی! ایک تو تم نجانے کس مراقبے میں چلی جاتی ہو۔" مما نے خفگی سے کہا "اب اٹھ بھی چکو۔"

"جا رہی ہوں۔" میں دھپ دھپ کرتی کچن میں چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

میں بڑے شوق اور جذبے کے ساتھ فش کری بنا رہی تھی۔ مچھلی کو بیسن لگا کر پہلے سے رکھ دیا تھا۔ پیاز بھی گولڈن کر لی تھی۔ فش بھی فرائی ہو چکی تھی۔ بس آدھے گھنٹے کا کام تھا۔ ساتھ ساتھ اٹالین سلاد کی تیاری بھی کر رہی تھی۔ یہ مینو ڈیڈی کی پسند کے مطابق صبح ہی میں نے ترتیب دیا تھا۔ کوفتہ بریانی دم پر تھی۔ اسی پل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں وقتاً" فوقتاً" سلیب پر رکھے نوٹس پر بھی نگاہ ڈال رہی تھی۔

"اف، اب فون سننے لاؤنج میں جاؤں۔" میں نے بھنا کر سوچا۔ فون بے چارا بج بج کر خاموش ہو گیا تھا۔ تب ہی مما اور بڑی مما سٹنگ روم سے برآمد ہوئیں۔ نجانے کون سی میٹنگ کر کے فارغ ہوئی تھیں۔

"کس کا فون تھا ساحی!"

"ابن الہیثم کا ہو گا۔" میں نے رٹا لگاتے ہوئے۔ سلاد کے لیے خربوزہ کاٹنا شروع کر دیا۔

"ہیں۔ وہ کون ہے؟" بڑی مما بے حد حیران ہوئیں۔ فون کی گھنٹی پھر سے بجنے لگی تھی۔ بڑی مما ابن الہیثم کے متعلق تفصیل پوچھنے کا ارادہ ترک کر کے فون اسٹینڈ کی طرف بڑھ گئیں۔ کچھ دیر بعد مجھے بڑی مما کی افسردہ سی آواز سنائی دی۔

"کچھ دن بعد آئیں گے۔ کسی گھریلو پرابلم کی وجہ سے ان کا پروگرام ملتوی ہو گیا ہے۔"

"اس کے نصیب ہی ٹھنڈے ہیں۔" مما کی متفکر اور شدید پریشانی میں ڈوبی آواز سنائی دی تو میں نے چونک کر ان دونوں خواتین کے متفکر چہروں کی طرف دیکھا۔

کس کے نصیب ٹھنڈے ہیں۔ یہ پوچھنے کی ضرورت تو نہیں تھی۔ مما کا اشارہ یقیناً" میری ذات گرامی کی طرف تھا۔ شاید کچھ مہمانوں کو آنا تھا اور اب ان کا پروگرام بدل گیا تھا۔ یقیناً" انہیں بھی میرے موٹاپے کی بھنک پڑ چکی ہو گی۔ ایسا ایک دو مرتبہ پہلے بھی ہو چکا تھا۔

میری ذات کے ساتھ بے شمار مسائل کا انبار بھی جڑا ہوا تھا۔ ایک تو میری نالائقی، دوسرا میرا پھیلا ہوا وجود۔ تیسری یہ گز بھر لمبی زبان، جو نئے نئے مہمانوں کو دیکھ کر منہ کے اندر رکتی ہی نہیں تھی۔ کمبخت تیز گام کی طرح چلتی جاتی تھی۔

پچھلے دنوں کچھ خواتین آئی تھیں۔ میرے گورے چٹے خوب بھرے بھرے سراپے کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھتی رہیں۔ بعد میں کہلا بھیجا، انہیں آٹے کی بوری نہیں چاہیے۔ بس مجھے بھی غصہ آگیا۔ بڑی مما کی پرسنل ڈائری میں سے ان خواتین کا فون نمبر چرا کر وہ لتے لیے کہ یاد ہی کرتی رہیں گی تمام عمر اس شاندار بے عزتی کو۔ ساحیہ مراد کو آٹے کی بوری کہنے کا خمیازہ بھگتنا تو تھا ہی۔ میں نے بھی ان کے گنجے بیٹے کی شان میں ایسے ایسے القابات کہے تھے کہ بے چاری تمام عمر جلتی بھنتی رہیں گی۔

یہ دوسری منحوس ترین ٹیلی فون کال تھی۔ جو میری زندگی میں بھونچال لانے کا باعث بنی۔

مما کی پریشانی نے مجھے بھی سچ مچ پریشانی کر دیا تھا، مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ مما کو ان دنوں مجھے پڑھائی کی افادیت پر لمبے لمبے لیکچر دینے کا بھی خیال نہیں رہا تھا۔ دوسرا حیرت کا جھٹکا مجھے تب لگا۔ جب آرٹس کی کتابیں میری رائٹنگ ٹیبل پر سج گئیں۔ مما نے اپنی ضد چھوڑ دی تھی۔ ان دونوں کے سر سے مجھے ڈھیر سارا پڑھانے کا بھوت اتر چکا تھا۔ اب وہ مجھے سلم اینڈ اسمارٹ دیکھنا چاہتی تھیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے **سلمنگ سینٹر** کی میڈم سے بات بھی کر لی تھی۔

ادھر میرے کچن میں گھسنے پر شدید پابندی لگ چکی تھی۔ میں اپنے پسندیدہ سبجیکٹ دیکھ کر اس قدر خوش نہیں ہوئی تھی، جس قدر کچن میں گھسنے پر پابندی نے مجھے ادھ موا کیا تھا۔ مما مجھے صبح صبح پالک کا بدمزا پانی پلا کر دلیے کی ایک چھوٹی سی پیالی پکڑا دیتی تھیں۔ تین دن اس ناانصافی اور ظلم کے بعد میں نے اپنے زرخیز دماغ سے کچھ نئی ترکیبیں نکال لی تھیں۔ کبھی ڈیڈی اور کبھی پاپا سے دو تین سو روپے لینا میرا معمول بن گیا تھا۔ کیونکہ مما اور بڑی مما نے مجھے دبلا کرنے کے لیے جو عہد کر رکھا تھا۔ اس عہد کو مدنظر رکھ کر میری پاکٹ منی بھی بند ہو چکی تھی۔

اب مما مجھے پڑھائی پر نہیں، بلکہ ڈائٹنگ پر بڑے بڑے اور لمبے لیکچر دیتی تھیں۔

ان دنوں مما کی سب سے بڑی ٹینشن میرا بڑھتا ہوا وزن تھا۔

جس دن میرا میٹرک کا شاندار رزلٹ آیا، یہ اسی دن کی بات ہے۔ یہ دن میرے لیے خوشگوار نہیں تھا۔ حالانکہ مما اور بڑی مما میرے پھولے پھولے گلابی چہرے پر نہ جانے کتنے ہی بوسے دے چکی تھیں۔ مما میرے اچھے رزلٹ پر پھولے نہیں سما رہی تھیں۔ اور ڈیڈی فخریہ کہہ رہے تھے۔

"میں نہ کہتا تھا سائرہ! ساحی کو آرٹس پڑھنے دو، بچے کی دلچسپی اور شوق کو اولیت دینا چاہیے۔" مما آج ڈیڈی سے متفق ہو چکی تھیں۔ انہوں نے کسی بھی قسم کی بحث نہیں کی تھی۔

رات کو خالہ نے مما کو فون کر کے بتایا۔

"آپا! بڑی آپا نے اسود کے لیے غانیہ کو مانگا ہے۔"

اس خبر نے مما کے چہرے کے سارے رنگ اڑا دیے تھے۔ شاید وہ بھی اسود بھائی کو بطور داماد پسند کر چکی تھیں۔ تاہم بھانجی کی خوشی پر انہوں نے کم ظرفی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ پہلے چھوٹی خالہ کو اور پھر بڑی خالہ کو مبارکباد دی۔

ادھر میرے ارمانوں پر بھی اوس پڑ چکی تھی۔ غانی اور اسود بھائی سے اچھے اچھے گفٹس وصول کر کے

میں نے بھی اوپری دل سے انہیں مبارک باد دی۔ اگر اسود بھائی کے ساتھ بات بن جاتی تو میں نے ایف اے کے بجائے شادی کرنا تھی۔ مگر ہائے میرے نصیب۔ جو بقول مما کے بالکل برف یا آئس کریم کی طرح ٹھنڈے تھے۔

خاندان کے سارے ہی لڑکے ایک ایک کر کے کھونٹے سے بندھ چکے تھے۔ حنا اور صبا جیسی نالائق لڑکیاں بھی دو دو بچوں کی امائیں بن چکی تھیں۔ میرا دل جل جل کر خاک ہو رہا تھا۔ اور ادھر اسود بھائی اور غانی کی شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے۔

مما بھی ہنسی خوشی کبھی جہیز تو کبھی بری کی شاپنگ کروانے چلی جاتی تھیں۔ کچن ان دنوں میرے صحت مند کندھوں پر تھا۔ سو میں جی بھر کر چٹ پٹے کھانوں سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

ڈیڈی اور پاپا بھی خوب مزے کر رہے تھے۔ ان دنوں دونوں کو پرہیز بھول چکا تھا۔ میں بھی فرمائشی لسٹ کو دیکھتے ہوئے مینو ترتیب دیتی تھی۔

بڑی مما تو عرصہ ہوا کچن کو خیرباد کہہ چکی تھیں۔ ہائی بلڈ پریشر کے مرض نے انہیں خاصا عاجز کر دیا تھا۔ اور مما کو بھی میں اب کم کم ہی کچن کی طرف جانے دیتی تھی مگر جب سے مما کو میرے پھیلتے وجود کو دیکھ کر شاک لگا تھا اور میرا اب تک رشتہ نہ ہونے کی یہ بہت بڑی "وجہ" معلوم ہوئی تھی تب سے کچن میں میرے داخلے پر پابندی لگا دی گئی تھی مگر خیر اب تو آزادی ہی آزادی تھی اور میں اس آزادی سے خوب فائدہ اٹھا رہی تھی۔

شادی کے ہنگامے جوں ہی سرد پڑے مما نے میرا دوبارہ وزن کروایا اور پھر کچھ مت پوچھیے میں اپنا پندرہ کلو وزن بڑھا چکی تھی۔ مما نے مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا۔

میں نے انٹر میں ایڈمیشن کیا لیا مصروف سے مصروف تر ہوتی چلی گئی تھی۔ پڑھائی اور کھانے کے علاوہ مجھے کچھ سوجھتا ہی نہیں تھا۔۔۔۔ بڑی مما کمرے میں داخل ہوئیں۔

"سائرہ! بانو کی روحی کا رشتہ بھی طے ہو گیا۔" یہ خبر خاصی روح فرسا تھی۔

"اچھا۔" مما صدمے کے مارے بول ہی نہ سکیں۔

"اچھی خاصی موٹی اور سانولی سی تھی مگر پوزیشن ہولڈر تھی' عمر کچھ زیادہ ہو گئی تھی' اسی لیے بے چاری بانو بہت پریشان تھی۔" مما نے میری طرف دیکھ کر ٹھنڈی آہ بھری۔

"چلو' بانو کی پریشانی تو دور ہوئی۔ اللہ سب کی بیٹیوں کے نصیب اچھے کرے۔" بڑی مما نے صدق دل سے دعا کی۔ نظریں ہنوز مجھ پر تھیں۔ گویا خصوصاً" میرے لیے بھی دعا کی گئی تھی۔

"روحی باجی کی شادی میں کون جائے گا۔" مجھے اپنے کپڑوں کی فکر ہو گئی تھی' سو بے تابی سے پوچھنے لگی۔

"تم تو ہرگز نہیں جاؤ گی۔" مما کا انداز فیصلہ کن تھا۔

"کیوں؟ اب تو میں میٹرک بھی کر چکی ہوں۔" میں نے رونی صورت بنا کر کہا۔

"بڑا تیر مار لیا ہے تین سال میں میٹرک کر کے۔"

مما تو ساسوں کی طرح طنز مارنے میں ماہر تھیں۔

"کر تو لیا ہے نا۔ اگر اس دفعہ بھی فیل ہو جاتی تو اچھا تھا۔" میں کلس کر بولی۔

"بے وقوف' احمق' ذرا عقل نہیں۔ اگلے گھر جا کر نجانے کون کون سے "گل" کھلائے گی۔"

"مجھے گل کو منہ لگانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ کو اچھی طرح سے خبر ہے میں "گل" سے کس قدر چڑتی ہوں۔" گل ہماری پڑوسن تھی' پاپا کے دوست کی بیٹی۔ ان دنوں چھٹیاں گزارنے کینیڈا گئی ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

میں اس وقت ٹیرس پر بیٹھ کر کیلوں کے ساتھ معمولی سا انصاف کر رہی تھی۔ صرف چھ کیلے ہی کھائے تھے۔ جب میری پڑوسن کے ٹیرس کی ریلنگ پر جھکے ایک سیاہ چمکتی آنکھوں والے خوبرو لڑکے نے مجھے ساتواں کیلا اٹھاتے دیکھ کر گویا گنتی مکمل کر دی تھی۔

"اب مزید ایک بھی کیلا مت کھانا۔ ورنہ تمہارا نہ سہی' میرا اپنا معدہ تمہیں کیلے کھاتے ہوئے دیکھ کر پھٹ جائے گا۔ مائی گاڈ! پیٹ ہے کہ کنواں' ابھی دو سرخ سرخ سیب بھی پلیٹ میں ڈھک کر رکھے ہوئے ہیں۔ یہ کسی اور کے معدے میں ڈالو گی؟" وہ مسلسل بولتا ہوا بڑی بے تکلفی کے ساتھ ہمارے ٹیرس پر کود گیا۔ یہ کیلے سیب تو مجھے ہضم ہو سکتے تھے مگر ان محترم کی بے تکلفی ہرگز نہیں۔

"کون ہو تم؟" میں نے اپنے ازلی پُر جلال موڈ میں دہاڑنے کی کوشش کی تھی مگر گلے میں کافی تکلیف دہ خراشیں پڑ گئیں۔

"میں دلوں کا کیف ہوں۔" مقابل نے خاصا جھوم کر بتایا۔

"میں کہہ رہی ہوں' اپنا نام بتاؤ؟" مجھے ایک دفعہ پھر تلخ لہجہ بنانا پڑا۔

"بتایا تو ہے۔ کیف ہوں' سرور ہوں' نشہ ہوں' خمار ہوں۔ مستی ہوں۔" وہ پھر سے دلار بھرے انداز میں بولا۔

"یہ سارے نام تمہارے ہیں؟ احمق! مجھے صرف ایک نام بتاؤ۔" میں نے جھاڑ کر کہا۔ دراصل میرا ارادہ یہ تھا کہ ریلنگ پھلانگ کر ذرا رخسانہ آنٹی (گل کی ممی) سے شکایت لگا کر آتی ہوں کہ گھر میں کس بدتہذیب مہمان کو رکھا ہوا ہے۔ جو بغیر اجازت کے دوسروں کے گھروں میں گھس کر بے تکلف ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ "رخسانہ آنٹی تمہاری رشتے میں کیا لگتی ہیں۔" میں نے آنکھیں دکھا کر پوچھا۔

"ڈیڈی کی بہن۔"

"یعنی تمہاری پھوپھو؟"

"یہی سمجھ لیں۔" اب وہ ریلنگ کے اوپر جھک کر ہمارے لان کا جائزہ لے رہا تھا۔

"یہ پھول پودے کس نے لگائے؟"

"ساحیہ نے۔" میں نے سوچا کیوں نہ تعریف ہی بٹوری جائے۔

"یہ کون خاتون ہیں؟" وہ چونک کر پوچھنے لگا۔

"میں اور کون۔"

"اوہ' تو آپ کا نام ساحیہ ہے۔" اس نے آنکھیں سکیڑ کر میری طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ "آپ کا نام تو کوئی بھاری بھرکم قسم کا ہونا چاہیے تھا۔ دردانہ' سطوت آرا یا ہزیرہ بیگم۔"

"کیا مطلب؟" میں چیخ اٹھی۔ "دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" کوئی میری صحت پر چوٹ کرے تو میں زخمی شیرنی بن جاتی تھی۔ کچھ میں فطرتاً" جھگڑالو تھی۔ دراصل اس کے پیچھے بھی بے شمار وجوہات ہیں۔ میرے گھر والوں کی بے شمار زیادتیاں اور ظلم' جو عمر کے مختلف ادوار میں مجھ پر ٹوٹتے رہے تھے۔ شروع سے ہی مجھے ہر بات پر ڈی گریڈ کرنا۔

میں جو عماد بھائی کے اتنے سالوں بعد اس ظالم گھرانے میں پیدا ہوئی تو ان لوگوں کو میری قدر کرنا چاہیے تھی۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ یہ لوگ شکرانے پڑھتے' نیازیں بانٹتے' مگر ہوا کچھ یوں۔۔۔۔ مما مجھ جیسی جناتی بچی کو پیدا کر کے بیمار پڑ گئی تھیں۔ سارے گھر والے معصوم سی گول گوتھنی بچی کو بھول بھال کر مما کے غم میں ادھ موئے ہونے لگے۔ پاپا نے تو اس وقت جذبات میں آکر یہ تک کہہ دیا تھا۔ "اس سے بہتر تھا' میں بے اولاد ہی رہتا۔" یہ اس نازک گھڑی کی جذباتی سی کیفیت تھی۔ بعد میں پاپا نے مجھے اپنی آنکھوں کا ستارہ اور ہتھیلی کا چھالا بنانا چاہا تو میری ہٹلر مما درمیان میں کود پڑیں۔

"مراد! کیا ساحی کو بگاڑ دیں گے۔ ایک ہی ہماری بیٹی ہے۔ اس کی تربیت میں چوک نہیں ہونی چاہیے۔" مما نے دو سال کی عمر میں تربیت کرنے کے چکر میں مجھے جو خونخوار نظروں سے گھورنا شروع کیا تو اب تک یہی سلسلہ چلتا آ رہا ہے۔

میں بچپن سے ہی مما کے ظلم و جبر کا نشانہ بنتی رہی ہوں۔ ظاہر ہے' اکلوتی تھی۔ سارے ستم مجھ مسکین

پر ہی ڈھائے گئے۔ عماد بھائی ایک تو مجھ سے بہت بڑے تھے۔ اوپر سے بلا کے فرماں بردار۔ مجھے دیکھ دیکھ کر تو مما کو ہول پڑتے تھے۔

"ہائے لڑکی ذات اور ایسی بد زبان... بولتی ہے تو گویا چھت پھاڑنے کے ارادے سے۔ کبھی عماد کو اونچی آواز میں بات کرتے دیکھا ہے۔"

مما کا خیال تھا قصور میرا بھی نہیں، میں اپنی پھوپھی کا مزاج چرا لائی ہوں۔ سو میری گرم مزاجی سے گھر والوں نے سمجھوتا کر لیا تھا۔ بس یہی وجہ تھی کہ میں...

"محترمہ! آپ کس مراقبے میں چلی گئی ہیں؟" وہ بالکل میرے سامنے آ کھڑا ہوا تھا اور میں جو ماضی کی بھول بھلیوں میں گم بچپن سے اب تک اپنے ساتھ کی جانے والی زیادتیوں کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ ایک دم چونک کر خونخوار نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"تم ابھی تک یہیں کھڑے ہو؟" جوں ہی میری نظر اس کے ہاتھوں تک گئی۔ میرا پارہ چڑھ گیا۔ وہ کمینہ لیموں کے رس میں کٹے ہوئے سیب چٹ کر گیا تھا۔

"کس کی اجازت سے تم نے میرے سیب کھائے ہیں؟"

"کھانے پینے کے معاملے میں بھلا اجازت کیسی؟" اس نے میز سے ایک ٹشو بھی اٹھا لیا۔

"جاؤ یہاں سے... ورنہ میں چوکیدار کو بلا لاؤں گی۔" میں نے اسے دھمکانا چاہا۔

"چوکیدار نے بھلا یہاں آ کر کیا کرنا ہے؟" اس نے معصومیت سے پوچھا۔

"تمہیں اٹھا کر دوسرے ٹیرس پر پھینک دے گا۔"

"اس میں اتنی جان ہے؟" وہ ہمارے چوکیدار کی صحت پر چوٹ کر رہا تھا۔ "یہ کام تو آپ پر سوٹ کرتا ہے اور آپ ماشاءاللہ سے کر بھی سکتی ہیں۔"

"کون سا کام؟"

"اب کیا تشریح کروں۔ خیر! اللہ آپ کو نظرِ بد سے بچائے۔" وہ بیک وقت میرے صحت مند سراپے پر بھی چوٹ کر رہا تھا۔ یہاں میرا غصہ کرنا تو بنتا تھا اور غصہ چونکہ میری ناک پر دھرا رہتا تھا، سو میں فوراً ہی پھٹ پڑی۔

"جاتے ہو یہاں سے کہ میں مما کو بلاؤں؟"

"اتنا تردد کر کے نیچے جانا ہے تو میرے لیے چائے بھی لیتی آنا۔ میں یہیں ویٹ کروں گا۔" اس نے بڑی دوستانہ مسکراہٹ سجا کر کہا۔

"تم یہاں سے دفع ہو جاؤ۔" میں نے چھری اور پلیٹ اٹھا کر کہا۔

"اگر نہ جاؤں تو...؟"

"تم کس کی اجازت سے ہمارے ٹیرس پر آئے ہو؟" میں نے خونخوار نظروں سے اسے گھورا۔

"اپنے دل کی اجازت سے۔" وہ مزے سے بولا اور پیر جھلاتا کھڑا ہو گیا۔

"مس ساحیہ مراد! ہم پھر ملیں گے۔ ابھی چلتا ہوں۔ آپ مجھے بہت اچھی لگی ہیں۔ زندگی رہی تو پھر ملاقات ہو گی۔" وہ دوسرے ہی پل ریلنگ سے کود کر دوسری طرف چلا گیا تھا۔ جبکہ میں بھناتے ہوئے نیچے اتر آئی۔

☼ ☼ ☼

میرا ایف اے میں پاس ہو جانا میرے گھر والوں کے لیے ہفت اقلیم کی دولت مل جانے کے برابر تھا۔ ڈیڈی، پاپا اور مما تو اس خوشی میں کسی بڑی ضیافت کا اہتمام کرنا چاہتے تھے، مگر نبیلہ پھوپھو کی بیماری کی خبر نے سارا پروگرام درہم برہم کر دیا تھا۔

میرے اور ڈیڈی کے علاوہ سب ہی اسلام آباد چلے گئے تھے۔ ڈیڈی کو آفس سے چھٹی نہیں ملی تھی اور میں ڈیڈی کی وجہ سے گھر میں رہنے کے لیے تیار تھی۔ ویسے بھی میں پھوپھو کے سوالات کا سامنا کرنے سے گریزاں تھی۔ انہوں نے تو میرا ناک میں دم کر لینا تھا۔

"سائنس کیوں نہیں پڑھی؟ ایڈمیشن کیوں نہیں لیا؟ کون کون سے سبجیکٹ پڑھو گی؟"

اب بھلا پھوپھو کو کون بتائے۔ میں نے مزید نہ پڑھنے کا اعلان کر دیا تھا اور میری پیاری مما نے اس اعلان کو سن کر فی الحال جوتا اٹھانے سے پرہیز ہی کیا تھا۔ دراصل میرے انٹر میں پاس ہو جانے کی خوشی میں انہوں نے اپنا موڈ خراب نہیں کرنا چاہا تھا۔ اور فی الحال میری بے عزتی کرنے کا ارادہ ترک کر کے اسلام آباد سدھاری تھیں۔

چونکہ پڑھائی کا بوجھ تو ہٹ چکا تھا۔ سو میری آج کل تمام تر توجہ کا مرکز ٹی وی اور کچن تھا۔

اس دن بھی میں بڑے ذوق و شوق کے ساتھ ڈیڈی کے لیے چانپ بنا رہی تھی۔ اس کی ترکیب میں نے ایک ٹی وی چینل کی آنٹی سے سیکھی تھی۔

میں مختلف مسالوں کے پیسٹ کو چپٹی کی ہوئی چانپ کے اوپر لگا لگا کر فرائی کر رہی تھی، جب شمو نے مجھے کچن میں آ کر اطلاع دی۔

"ساحی بی بی! مہمان آئے ہیں۔"

"لو جی! اس وقت کون ویلا (فارغ) آ گیا ہے منہ اٹھا کر۔"

میں لال مرچ پاؤڈر، گرم مسالا اور زیرہ کریم میں مکس کر رہی تھی۔ چانپ کو سلاخوں میں لگانا تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر میں نے ہاتھ دھوئے اور سر پر ٹنگی شمو کی طرف متوجہ ہوئی۔ "کون ہے؟"

"خود دیکھ لیں۔"

"کیا مطلب؟" میں نے آنکھیں دکھائیں۔

"دیکھنے کی چیز ہے قسم سے۔" شمو اپنی اوقات پر اتر آئی۔

"بکو نہیں۔" میں نے اسے ڈپٹ کر کہا۔ "مہمان کو ڈرائنگ روم میں بٹھایا ہے؟"

"جی، بالکل۔" اس نے زور سے سر ہلایا۔

"تو پھر چائے لے آنا۔" میں لاؤنج میں لگے مرر میں اپنا حلیہ دیکھ کر بولی۔

"چائے کے ساتھ کیا لاؤں جی؟"

"نگٹس، رول، کباب اور ہاں کیک بھی رکھ لینا، ڈیڈی کے کوئی دوست ہی ہوں گے۔" میں نے اندازاً سوچتے ہوئے ڈرائنگ روم کا رخ کیا تھا، مگر صوفے پر موجود شخصیت کو دیکھ کر میرے منہ میں گویا کڑوے بادام آ گئے۔

"تم...؟" میں صرف اتنا ہی کہہ پائی۔

"جی، میں... آپ کیوں شاکڈ رہ گئی ہیں؟ یہاں بیٹھ جائیے، کہیں گر مت جائیے گا صدمے کی شدت سے۔" وہ اخلاقاً اٹھتے ہوئے بولا۔

"تم یہاں کیوں آئے ہو؟" میں ناراضی سے بولی۔ آج بہت دن بعد میں نے اسے دیکھا تھا۔ شاید بیچ کے دنوں میں وہ کہیں چلا گیا تھا۔

"مبارک باد دینے۔" وہ اطمینان سے بولا۔

"ہائے، اسے بھی خبر ہو چکی۔" میرا دل ڈوب کر ابھرا۔ "پھر تو نمبر بھی جان چکا ہو گا۔"

"اتنا حیران کیوں ہو رہی ہیں۔ دراصل مجھے رخسانہ آنٹی نے بتایا تھا۔ سوچا، مبارک دے آؤں۔ ایمان سے بڑی خوشی ہوئی یہ جان کر کے آپ نے انٹر پاس کر لیا ہے۔" وہ سچ مچ بڑی خوشی کا مظاہرہ کر رہا تھا مگر مجھے صاف طنز ہی لگا۔

"ٹھیک ہے، خیر مبارک۔" میں نے اوپری دل سے کہہ ہی دیا۔ "ویسے تم اتنے دن سے کہاں تھے؟ نظر نہیں آئے۔" میں نے ایسے ہی بات بڑھانے کی غرض سے پوچھ لیا تھا۔

"آپ نے مجھے مس کیا؟" وہ تو ایسے کھل اٹھا تھا گویا گلاب کا پھول ہو۔

"لو، جی! کر لو گل... یہاں تو بات کرنا ہی فضول ہے۔" میں نے منہ بنا کر سوچا، مگر اس کا دل توڑنا بھی مناسب نہیں تھا، سو لفظوں کا ہیر پھیر کر کے بولی۔

"ٹیرس پر نہیں دیکھا، سو اسی لیے پوچھ لیا۔"

"دراصل میں کچھ دن تک "سوگ" کی کیفیت

میں رہا ہوں۔"

"سوگ؟" میں چونکی۔ "بھلا کیسا سوگ؟ کیا ہوا؟ کسی نے کچھ کہہ دیا؟" میری تجسس پسند فطرت انگڑائی لے کر جاگ اٹھی تھی اور فوری طور پر میرے ذہن نے ایک کہانی کا تانا بانا بھی بُن لیا تھا۔ گل کے پیار میں پاگل لیکن ..... گل کا ہری جھنڈی دکھانا اور پھر کیف کا سوگ میں اتنے دن غمزدہ رہنا..... ادھر میرے اندر مارے تجسس کے گدگدی ہونے لگی تھی اور میں بس فٹافٹ ساری کہانی کو جاننے کے لیے بے چین ہو گئی تھی اور اس لمحے مجھے بھول گیا تھا کہ میری پہلی ملاقات کافی ناگوار رہی تھی۔

"بس جی، کچھ نہ پوچھیں ..... لوگوں کے دو رخے چہرے ہیں۔" وہ رنجیدگی سے بولا۔

"کس کے؟" میں حیران ہوئی۔

"ہماری پھوپھو محترمہ۔" وہ جل بھن کر بولا۔

"مگر ان کے دو چہرے کہاں ہیں؟ مجھے تو صرف ایک چہرہ ہی دکھائی دیتا ہے۔" میں نے ہونق پن کی انتہا کر دی تھی۔

"میرا کہنے کا یہ مطلب نہیں۔" وہ جھنجلایا۔

"یہ جو میری پھوپھو ہیں نا..... ایک نمبر کی بدعہد ہیں۔" وہ خوب جلا بیٹھا تھا۔

"انہوں نے کیا کیا؟"

"پھوپھو نے کہا تھا ان چھٹیوں میں وہ ضرور ہمارے گھر رہنے کے لیے آئیں گی مگر اب وہ مکر گئی ہیں۔" کیف نے بسور کر بتایا تھا اور ادھر میرا منہ اتر گیا۔ جو کچھ میں سننا چاہتی تھی اور جس محبت کی کہانی کا مجھے انتظار تھا، سب خواب ہوا، کھودا پہاڑ اور نکلا کیا؟

"تم گل کو ساتھ لے جاؤ۔ وہ بھی بس آنے ہی والی ہے۔" میں نے اس کو تسلی دینے والے انداز میں کہا تھا مگر وہ یوں اچھلا گویا اسے کرنٹ لگ گیا ہو۔

"توبہ کریں جی! پھوپھو کو تو اس لیے ساتھ لے کر جاؤں گا۔ چند دن کے لیے ہی سہی، میری کچن سے جان چھوٹ جائے گی۔ میں بھی چار دن سکھ کا سانس لے سکوں گا۔ مجھے پاگل کتے نے کاٹا ہے کہ میں گل کو لے جاؤں تاکہ میری مزید سختی آجائے۔ میں دو گھڑی کے لیے بھی کچن سے باہر نہ نکل سکوں۔" کہہ تو وہ ٹھیک ہی رہا تھا۔ گل کی ہڈ حرامی اور کام چوری مجھ سے بڑھ کر کون جان سکتا تھا۔ کاہلی اور سستی خصوصاً" کچن کے کاموں میں محترمہ گل پر ہی ختم ہوتی تھی۔

"کچن کے کاموں سے تو گل کی جان جاتی ہے۔" میں نے شمو کو ٹرالی گھسیٹ کر اندر آتے دیکھ کر گھورا۔ اس کے لیے اتنا اہتمام کرنے کی بھلا کیا ضرورت تھی۔ پڑوس سے تو آیا تھا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ شمو کا بھلا کیا قصور ہے۔ آرڈر تو میں نے خود ہی دیا تھا اور ادھر کیف نے مجھے ہکا بکا کر دیا۔ وہ کباب کھاتے ہوئے بول رہا تھا۔

"اسی لیے تو میرا اور فیملی پلٹون کا مشترکہ فیصلہ ہے کہ گل ہماری بھابھی نہیں بن سکتی۔" میں اس کے لیے چائے بناتے بناتے اچھل کر رہ گئی۔ اس نے بات ہی کچھ ایسی کی تھی۔ میرا چونکنا فطری تھا۔

"ہائے، گل بھی ٹھکانے لگنے کے قریب قریب پہنچ گئی۔" صدمے سے میرا پاؤ بھر خون خشک ہو گیا تھا۔ آنکھوں کے سامنے بی اے کی موٹی موٹی کتابیں گھومنے لگی تھیں۔ اگر اس سال بھی کوئی امید کی کرن نظر نہ آتی تو مجھے قوی یقین تھا، مما نے اسلام آباد سے واپس آکر ایڈمیشن فارم میرے منہ پر ضرور دے مارنا تھا اور مجبوراً" روتے دھوتے مجھے اس فارم کو بھرنا تو ضرور ہی تھا۔ ورنہ مما سے دھنائی کون کرواتا۔

"پھوپھو کی خواہش ہے۔ میرے بھائی سے گل کی بات بن جائے مگر میرے اور میری پلٹون جیسے ظالم سماج کے ہوتے ہوئے بھلا یہ بات بن سکتی ہے۔"

"مگر گل میں بھلا کیا کمی ہے؟" میں نے مرے مرے لہجے میں کہا۔

"نہیں، کمی تو کوئی نہیں ..... ہمارے لیے تو بہت اچھی ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ ہمیں گھر سنبھالنے کے لیے عورت کی ضرورت ہے، نہ کہ کوئی ایسی آجائے جو

سارے نظام کو بگاڑ کر رکھ دے۔ اب دیکھیں نا، گل سال کے چھ مہینے بیرون ملک کے دوروں پر رہتی ہے۔ ایسے میں ہمارے گھر کی بھلا کیا حالت ہو گی اور ویسے بھی گل اپنے کینیڈا والے چاچو کے بیٹے میں انٹرسٹڈ ہے۔ پھوپھو خوامخواہ جذباتی ہو رہی ہیں۔ خیر یہ ان کا اور گل کا ذاتی معاملہ ہے۔ امید ہے گل پھوپھو کو قائل کر ہی لے گی۔" کیف نے چوتھا کباب اٹھاتے ہوئے وضاحت کی تھی۔ میں اس کی بات سمجھ کر سر ہلانے لگی۔

"میں پھوپھو کو لینے کے لیے آیا تھا۔ ایک بھائی کے لیے ایک لڑکی دیکھی تھی مگر وہاں بات بنتے بنتے رہ گئی۔" کیف کا منہ اتر گیا تھا۔

"مگر کیسے؟" میں نے بے ساختگی سے پوچھ لیا۔

"محترمہ کو کچھ پکانا نہیں آتا۔"

"ہائے، صرف اتنی سی بات؟"

"یہ اتنی سی بات نہیں۔" کیف نے چکن رول اٹھایا اور پھر دوبارہ پلیٹ میں رکھ دیا۔ "جو خاتون کچن کے نام سے گھبراتی ہوں۔ انہیں شوکیس میں سجانے کے لیے تو گھر نہیں لے کر جانا۔"

"ہاں، یہ تو تم نے ٹھیک کہا۔" میں نے فوراً" اتفاق کر لیا تھا۔ کیف کو ویسے بھی بات کرنے کا سلیقہ آتا تھا۔ وہ بہت اچھی طرح سے مقابل کو قائل کر لیتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ صرف چند دنوں میں میری کیف کے ساتھ اچھی دوستی ہو گئی تھی اور اس کا بھی زیادہ تر وقت ہمارے گھر میں گزرنے لگا تھا۔ کیف نے بڑی مما اور میری مما سے بھی خاصی جان پہچان بنا لی تھی۔ ایک تو وہ بلا کا باتونی تھا۔ ایسے ایسے لطیفے اور چٹکلے چھوڑتا کہ ہنس ہنس کر اگلا بندہ بے حال ہو جاتا۔ البتہ کیف کی ہمارے گھر میں آمد و رفت رخسانہ آنٹی کو پسند نہیں آئی تھی۔ اکثر جب کیف یہاں ہوتا تو آنٹی اسے کسی نہ کسی بہانے بلانے آجاتی تھیں۔

کیف چند ہفتوں کے قیام کی غرض سے یہاں آیا تھا۔ اس کے آفس کا کوئی کام تھا۔

☼ ☼ ☼

اس دن میں مارکیٹ سے کچھ ضروری سامان لینے کے لیے گئی تو کیف سے بھی ملاقات ہو گئی تھی۔ دو دن بعد نظر آیا تھا۔ ان دنوں کام میں بہت مصروف تھا۔ اسی لیے پارک میں بھی نہیں آرہا تھا۔ ورنہ تو روزانہ ہی میں اسے قریبی پارک میں ٹہلتے اور موبائل فون پر مصروف دیکھتی تھی۔ اس وقت بھی اسے فٹ پاتھ پر چہل قدمی کرتے دیکھ کر مجھے بے ساختہ خوشی محسوس ہوئی۔

"کہاں تھے اتنے دن سے؟" میں نے بڑے بڑے تھیلے اس کے ہاتھ میں زبردستی تھماتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ مصروف تھا۔ تم سناؤ؟ آج کل کیا ہو رہا ہے۔" اس نے ہمیشہ کی طرح شائستگی بھرے لہجے میں دریافت کیا۔

"بس، وہی پڑھائی کا رونا۔" میں نے دکھی دل سے بتایا۔ مما نے آتے ہی میری ننھی سی جان پر پھر سے کتابوں کا بوجھ لاد دیا تھا۔ بقول مما کے جب تک شادی نہیں ہوتی، فارغ رہنے سے بہتر ہے، مصروف رہو اور اب تو میں سچے دل سے شادی کے لیے دعائیں کر رہی تھی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ اس دفعہ بھی میں ہرگز پاس نہیں ہو سکوں گی اور فیل ہونے سے بہتر تھا، میں کسی کی بے رنگ زندگی میں رنگ بھر دوں۔ مگر مسئلہ تو صرف یہ تھا کہ خاندان کا کوئی بھی مرغا پھنس نہیں پایا تھا اور خاندان سے باہر تانکنے جھانکنے کی مما نے مجھے اجازت نہیں دے رکھی تھی اور نہ ہی میرا ایسا کوئی ارادہ بھی تھا۔

"آنٹی کا ارادہ تم سے جاب کروانے کا ہے؟" کیف کا انداز کچھ سوچتا ہوا تھا۔

"نہیں تو۔" میں نے نفی میں سر ہلایا۔

"پھر کیا ضرورت ہے، خوامخواہ تمہیں تکلیف دینے کی۔" وہ منہ بنا کر بولا۔ "آنٹی کو چاہیے تمہاری شادی کر دیں۔"

"لوجی، کرلو گل...... یہاں کوئی پروپوزل آتا تو تب بات بھی تھی۔ بندہ رو دھو کر گھر والوں کو شادی کے لیے منوا ہی لیتا۔" میں نے کڑھ کر سوچا۔
"تم بھوک ہڑتال کردو۔" کیف نے اسے نئی راہ دکھانا چاہی تھی۔
"مما ان اوچھے ہتھکنڈوں سے متاثر نہیں ہو سکتیں۔" میں نے مایوسی سے نفی میں سر ہلایا۔
"اچھا' ایک اور طریقہ بھی ہے' تم بیمار پڑ جاؤ۔"
"مگر کیسے؟"
"بھئی' ہر روز جھوٹ موٹ کا دورہ بنالینا۔"
"پھر مما لوگ مجھے ڈاکٹر کے پاس لے کر بھاگیں گی' سارا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔" میں نے مایوسی سے کہا۔
"تم ڈاکٹر کے پاس نہیں جانا۔"
"میں نہیں جاؤں گی مگر ڈاکٹر خود چل کر میرے پاس آجائے گا۔" میں بیزاری سے بولی۔ "کچھ اور سوچو۔"
"کہہ دو' میری یادداشت چلی گئی ہے۔ ابھی میں گاڑی نکال کر لاتا ہوں۔ معمولی سی ٹکر کے بعد تم بے ہوش ہو جانا۔" اس نے ایک اور نادر ترین حل پیش کیا' جسے سن کر میرا منہ بن گیا تھا۔
"تاکہ میرا دماغی علاج ہونا شروع ہو جائے اور پھر مما اور پاپا کو پتا چل جائے کہ میں انہیں پریشان کرنے کے لیے ڈرامے کر رہی ہوں۔"
"ایک اور حل بھی ہے میرے پاس۔" وہ پھر سے سوچ میں گم ہوا۔
"جلدی بتاؤ۔" میں بے صبری سے بولی۔
"تم خودکشی کرلو۔"
"ہائے خودکشی۔" میں گویا بدک کر دور ہوئی۔ "یعنی مر جاؤں؟ محض پڑھائی سے بچنے کے لیے۔" میری آنکھوں کے ڈھیلے گویا باہر نکلنے لگے۔
"نہیں تو۔" وہ گویا جھنجلا گیا۔ "مرنے کے لیے کون کہہ رہا ہے۔ صرف خودکشی کی کوشش کرنا۔ ٹیرس سے چھلانگ مار دینا۔" وہ اطمینان سے بولا۔
"تاکہ میری ساری ہڈیاں ٹوٹ جائیں۔ میں لنگڑی ہو کر بستر سے لگ جاؤں۔" ایسے خوفناک مشورے نے مجھے پسینہ پسینہ کر دیا تھا۔
"بدھو! دھیان سے چھلانگ مارنا تاکہ ہڈیاں ٹوٹنے سے بچ جائیں۔ بس اس کا دھیان رکھنا کہ اس منظر کو کوئی دیکھ لے۔"
"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔" میں نے مشکوک انداز میں اسے گھورا۔ "تم مجھے دنیا سے بھجوانے کے طریقے کیوں بتا رہے ہو۔"
"ایک آخری آئیڈیا بھی ہے میرے زرخیز دماغ میں۔" کیف نے چٹکی بجا کر کہا۔
"مجھے تو معاف کرو۔" میں نے دونوں ہاتھ جوڑے۔ میں سڑک پار کرنے لگی تھی۔
"ارے سن تو لو۔" وہ میرے پیچھے بھاگا چلا آیا۔
"کیا ہے؟" میں ناراضی سے بغیر رکے بولی۔
"تو تم شادی کرلو۔" اس نے پھر سے میرا دل جلایا۔
"کس سے۔" میں نے بغیر سوچے سمجھے دانت پیس کر بھناتے ہوئے کہا تھا۔
"ایک سے۔" وہ میرے سامنے کھڑا بڑے اطمینان سے کہہ رہا تھا۔ یوں کہ میرا اطمینان پل بھر میں ہوا ہو گیا۔
"مگر......" میں نے کچھ بولنا چاہا تھا مگر کیف نے گویا ہاتھ اٹھا کر میری بات قطع کردی۔
"کوئی اگر مگر نہیں۔ کیا میں اور میری ماما تمہارا ہاتھ مانگنے آجائیں؟" اب وہ بڑے صاف اور دوٹوک انداز میں پوچھ رہا تھا اور میری حیرت کی گویا انتہا ہو چکی تھی۔
"مگر ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔" میں ہکا بکا رہ گئی۔ "بھلا یوں کھڑے کھڑے رشتے طے پاتے ہیں؟"
"کیوں نہیں ہو سکتا۔" وہ پرجوش سا بولنے لگا۔
"تم ہمارا آئیڈیل ہو ساجی! ہمیں جس لڑکی کی تلاش تھی۔ وہ لڑکی صرف تم ہو سکتی ہو۔ تم میں جو خوبیاں موجود ہیں۔ ہمیں ایسی ہی خوبیوں والی لڑکی کی تلاش تھی۔ میری تلاش یہاں آکر ختم ہو چکی ہے اور میں تمہیں اپنی بھابھی بنانا چاہتا ہوں۔"

ہائے' مجھے کھڑے کھڑے ہارٹ اٹیک نہ ہو جائے۔ اپنی اتنی تعریفوں نے تو میرے حواس معطل کر دیے تھے۔ اگر کچھ سنبھل کر کیف کے تاثرات جانچ لیتی تو ضرور ٹھٹک جاتی۔ مگر کیا ہے کہ مجھے کسی کو جانچنا' پرکھنا آیا' سمجھنا تو کبھی نہیں آیا۔ میں بے وقوفی کی حد تک سادہ ہوں۔ ان دنوں مجھے اپنی بے وقوفیوں کی خبر نہیں ہو سکی تھی' مگر وقت بہت بڑا استاد ہے۔ جو باتیں ماں' باپ اور کتابیں تک سمجھا نہیں سکتیں' ان باتوں کو وقت اچھی طرح سے ذہن نشین کروا دیتا ہے۔ اور وقت کی شاگردی میں رہنا کوئی آسان کام نہیں۔

☆ ☆ ☆

یہ ان دنوں کی بات ہے۔ جب رخسانہ آنٹی نے اچانک کینیڈا شفٹ ہو جانے کا اعلان کر دیا تھا۔ شوہر اور بیٹی چونکہ پردیس میں تھے۔ سو وہ تنہائیوں سے گھبرا کر کینیڈا چلی گئی تھیں۔ ان کی انیکسی میں ابھی تک کیف رہائش پذیر تھا۔
آنٹی کے چلے جانے کا بڑی مما اور میری مما نے خاصا صدمہ لیا تھا۔ عرصہ دراز سے وہ ہمارے پڑوس میں رہ رہی تھیں۔ ان کے چلے جانے کے بعد یوں لگتا تھا گویا برابر والا گھر سناٹوں میں ڈوب گیا ہے۔ آنٹی چلی گئیں تو کیف بھی گدھے کے سر سے سینگ کی طرح چند دنوں کے لیے غائب ہو گیا تھا اور میں جو اتنے دنوں سے اس کی عادی ہو چکی تھی' ایک دم بوکھلا کر رہ گئی اور جس دن وہ واپس آیا تھا۔ میں گویا پھٹ پڑی۔
"بغیر بتائے' کہاں دفع ہو گئے تھے؟"
"سانس تو لینے دو' بتاتا ہوں۔" وہ گھاس پر پھسکڑا مار کے بیٹھ گیا تھا۔
"جلدی سے بکو۔" میں غصے سے بولی۔ اسود بھائی اور غانی کے بعد کیف ہی تھا' جس سے میں اس قدر بے تکلفی سے پیش آتی تھی اور دوسرے مما اور پاپا' کیف کی شرافت' نجابت کو دیکھ کر مطمئن تھے۔ انہوں نے کبھی مجھے کیف سے ملنے اور گپ شپ سے نہیں روکا تھا اور ویسے بھی ہم کون سا ہر وقت ملنے کے لیے بے تاب رہتے تھے۔ زیادہ تر پارک میں ہی ملاقات ہوتی تھی۔ وہ پارک میں بچوں کے ساتھ والی بال کھیلتا تھا اور میں مما کے ہزار مرتبہ مجبور کرنے پر چار پانچ راؤنڈ لینے کے لیے نکل آتی تھی۔ جب تک میں راؤنڈ لیتی تھی۔ اتنی دیر تک وہ والی بال کھیلتا رہتا تھا۔ جوں ہی میں تھک ہار کر بینچ پر بیٹھ جاتی۔ وہ بال پھینک کر بھاگ آتا تھا۔
"یوسما ہے نا' میری وہ۔ اس کا برتھ ڈے تھا۔" وہ پسینہ صاف کرتا ہوا بولا۔ یوسما اس کی "وہ" تھی یعنی دوست' منگیتر' یا پھر بیوی۔ اس نے بھی "وہ" کی وضاحت نہیں کی تھی۔" میں نے بھی کبھی وضاحت طلب نہیں کی تھی۔ دراصل مجھے کریدنے کی کبھی بھی عادت نہیں رہی تھی اور نہ ہی میرا کیف کے ساتھ ایسا کوئی ریلیشن تھا جو میں یوسما کے بارے میں کانشس رہتی۔ وہ مجھے خاصا ہمدرد' مخلص اور سادہ مزاج لگا تھا اور ان دنوں تو میری مما کے کہنے پر وہ مجھے اکنامکس اور انگلش بڑی دل جمعی کے ساتھ پڑھا رہا تھا اور میں وثوق کے ساتھ یہ بات کہہ سکتی تھی کہ کیف سے اچھا کوئی آج تک مجھے پڑھا پایا تھا اور نہ ہی کچھ سمجھا پایا۔
مما کیف سے بہت خوش تھیں کیونکہ میرے منتھلی ٹیسٹ دیکھ کر مما کا دل خوش ہو گیا تھا اور وہ اس کامیابی کا سارا کریڈٹ کیف کو دے رہی تھیں۔ میری محنت کو وہ کسی کھاتے میں نہیں سمجھتی تھیں۔
"تو بتا کر جاتے۔" میں نے ناراضی جتائی۔
"کیوں بھئی' آپ نے مجھے مس کیا تھا؟" وہ صاف مجھے چڑا رہا تھا۔
"ہونہہ' کوئی نہیں۔"
"تم تو خوش ہو گی' پڑھائی سے جان چھوٹی رہی اتنے دن۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔
"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔" میں جزبز ہوئی۔
"تم آوارہ گردی کر آئے؟"
"لڑکی! احترام سے بلایا کرو۔ میں تمہارا استاد ہوں۔" وہ خوامخواہ استاد بنا۔

"تمہاری یوسما ٹھیک ہے؟" میں نے جان کر اسے چھیڑا۔

"ایک دم ٹھیک ہے' فرسٹ کلاس۔" وہ دور سے آئس کریم والے کو آتا دیکھ کر اٹھ گیا تھا۔

"اور تم؟"

"میں تمہارے سامنے ہوں۔" وہ دو آئس کریم لے آیا تھا۔

"بڑے فریش لگ رہے ہو۔" میں نے اپنا فیورٹ فلیور نہ دیکھ کر منہ بنالیا۔ "یہ کیا ہے؟"

"آئس کریم۔"

"مگر مجھے مینگو فلیور پسند نہیں۔" میں نے ناک چڑھائی۔

"تو نہ کھاؤ..... مجھے دے دو۔" وہ اطمینان سے بولا تھا۔

"تم سے ایک بات کرنا تھی ساحی.....!" کافی دیر سوچنے کے بعد وہ بہت سنجیدگی سے بولا تھا۔ میں کچھ چونک گئی۔

"کیا؟"

"وہ دراصل میری ماما آنا چاہتی ہیں۔" بالآخر اس نے کہہ ہی دیا۔

"تو آجائیں..... اس میں سوچ بچار کرنے والی کیا بات ہے۔" میں اس کی بات کا مفہوم نہیں سمجھی تھی۔ دراصل مجھے بات تو کیا' لہجے سمجھنا اور چہرے پڑھنا بھی نہیں آتا تھا۔

"میرا مطلب ہے' ایک خاص مقصد کے لیے آئیں گی۔" وہ سر جھکائے گھاس کے تنکے نوچ رہا تھا۔ اس کے قریب ہی خشک گھاس کے تنکوں کی ایک ڈھیری لگ چکی تھی۔

"کیسا مقصد؟" اب میں کچھ کچھ سمجھ تو چکی تھی۔ تاہم مزید وضاحت بھی ضروری تھی۔

"ایک کے لیے آئیں گی۔ میں نے تمہاری اتنی تعریفیں کی تھیں کہ وہ تم سے ملنے کے لیے بے چین ہو گئی ہیں۔"

اس نے تعریف کا ایک جال میری طرف پھینک دیا تھا اور میں اس جال میں الجھنے کے قریب قریب پہنچ چکی تھی۔ دراصل اپنی تعریف کسے ناپسند ہوتی ہے اور میری جن خوبیوں کی میرے گھر والوں کے نزدیک کوئی وقعت یا اہمیت نہیں تھی۔ وہ انہی خوبیوں کو میری نظر میں اور بڑھا کر پیش کرتا تھا۔ دراصل یہ بھی ایک فن ہے۔ شائستگی اور سلیقے کے ساتھ کسی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا فن..... یہ ہنر بھی کسی کسی کو آتا ہے۔

"تم بہت اچھی کوکنگ کرتی ہو۔ تم میں سلیقہ ہے۔ گھر سنبھال سکتی ہو۔ ماما کہتی ہیں ایک لڑکی کو ہر فن میں طاق ہونا چاہیے اور وہ عورت ہی کیا' جو گھر داری کے قرینے سے واقف نہ ہو۔" وہ اپنے مخصوص دھیمے اور پراثر لہجے میں کہہ رہا تھا اور اس کی باتوں سے 'اس کے لہجے کی تاثیر سے کوئی بھی عقل و فہم والا بندہ قائل ہو سکتا تھا جبکہ میں تو پھر ایک احمق اور بدھو سی لڑکی تھی۔ دراصل میرے لیے بے وقوف اور کم عقل جیسے الفاظ ہی مناسب تھے۔ اس وقت میں سفاکانہ حد تک خود کو احمق ترین مخلوق بھی کہہ سکتی ہوں' ہاں اس وقت مجھے یہ الفاظ بہت زہریلے اور اپنا مذاق اڑانے والے محسوس ہوئے تھے' جب مما نے مجھے جتایا کہ

"تم احمق اور پاگل ہو ساحی! ہمیں یہ سب تمہارے لیے بہتر نہیں لگ رہا۔"

"آپ تو چاہتی ہی نہیں' میں قدردان لوگوں میں جاؤں جو میرے سلیقے سے متاثر رہیں۔ جو میری ڈگریوں کی بجائے میرے ہاتھ کے ذائقے کی تعریف کریں۔ پلیز مما! میں ساری زندگی احساس کمتری کے ساتھ نہیں گزار سکتی۔ مجھ سے یہ طعنہ بھی نہیں برداشت ہو سکے گا کہ میں کند ذہن تھی یا پھر میرا اکیڈمک ریکارڈ اچھا نہیں تھا۔" میں احساس کمتری کا شکار تھی اور اسی خوف کے زیر اثر میں نے کیف کے بھائی کے حق میں ووٹ دے کر اپنے لیے ایک بھرے پرے کنبے کا انتخاب کر لیا تھا۔

میرا تھرڈ ایئر کا رزلٹ آیا اور میں خوش قسمتی سے پاس ہو گئی۔ ابھی میری اس خوشی کو سلیبریٹ کر رہے تھے کہ ایک نیا واقعہ رونما ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

پوری زندگی میں شاید پہلی مرتبہ میں نے خوشی خوشی کالج جانے کی تیاری کی تھی اور اس سے پہلے کالج کے لیے ضروری چیزوں کی شاپنگ بھی کی تھی..... مما اور بڑی مما اس کایا پلٹ پر حیران تھیں۔ اور ڈیڈی' پاپا بے انتہا خوش۔

مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ میرے اندر تبدیلیوں کی اصل وجہ کیف کی ذات تھی۔ وہ میرے لیے ایک مخلص دوست ثابت ہوا تھا اور اس نے مجھے احساس کمتری کے بھنور سے نکال دیا تھا۔ اس نے میری ذات کی اہمیت کو اپنے جاندار لفظوں کا پیراہن دے کر مجھے پہلے سے بھی زیادہ بااعتماد کر دیا تھا۔ یہ بات بھی مجھے بہت بعد میں پتا چلی تھی کہ دراصل کیف کا مقصد مجھے بااعتماد کرنا نہیں بلکہ میرا اعتماد جیتنے کی کوشش کرنا تھا اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تھا۔

ہاں تو' بات ہو رہی تھی اس دن کی' جب میں کالج جانے سے پہلے جھٹ پٹ ناشتہ تیار کر رہی تھی۔ مما اور بڑی مما حسب الحال اپنے کمروں میں تھیں۔ ڈیڈی اور پاپا نماز کے بعد سو جاتے تھے۔ جب تک وہ فریش ہو کر میز تک آتے تھے۔ میں ان کی پسند کا ناشتہ تیار کر چکی ہوتی تھی۔ یہی میری روٹین تھی۔ اس وقت بھی میں نے شمو کے ساتھ مل کر برتن میز پر سجا دیے تھے' جب کیف کی کال نے مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

میں موبائل اٹھا کر اپنے کمرے میں لے آئی تھی۔ میرا ارادہ تھا کہ ساتھ ساتھ یونیفارم بھی پریس کر لوں گی کیونکہ میں جانتی تھی' کیف لمبی بات کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

"استاد محترم! خیریت تو ہے۔ صبح صبح فون کھڑکا دیا ہے؟" میں نے موبائل کان سے لگا کر استری کا پلگ لگاتے ہوئے کہا۔

"بس ایسے ہی۔"

"جھوٹ نہ بولو۔" مجھے قطعاً یقین نہیں آیا۔

"سویرے سویرے میں جھوٹ کیوں بولوں گا۔"

"اتنے بھی تم سچے نہیں ہو' دوست!" میں نے طنزیہ کہا۔

"یہ تو تم نے سچ کہا۔ سو فیصد ٹھیک کہا۔" اس نے فوراً اتفاق کر لیا تھا۔

"ہم ہمیشہ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔" میں خوامخواہ اترائی۔ نجانے کیوں وہ ہنس دیا۔

"تم بہت سادہ ہو۔"

"شکریہ' نوازش۔" میں اسے چڑانے کی غرض سے بولی تھی۔ شاید وہ میری سادگی پر چوٹ کر رہا تھا۔

"بہت نادان بھی ہو۔"

"ٹھیک فرمایا آپ نے۔" میں مزے سے بولی۔

"اور تم بہت چالاک ہو۔"

"ہاں' واقعی۔" وہ پھر سے مسکرا دیا تھا اور اس کی ہنسی کی آواز سن کر میں نے بس ایسے ہی عام سے لہجے میں کہہ دیا تھا۔

"اور کبھی کبھی یہی چالاکی آپ کے منہ پر بھی آپڑتی ہے۔ خود کو عقل کل نہیں سمجھنا چاہیے۔"

"بڑی عقل کی باتیں کرنے لگی ہو۔" دوسری طرف حیران ہونے کی اداکاری کی گئی تھی۔

"آخر کس استاد کی شاگردی میں ہوں۔" میں نے عاجزی کا مظاہرہ کیا تھا۔ دوسری طرف کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی تھی۔

"فون کیوں کیا تھا؟" میں نے ایک مرتبہ پھر اپنا سوال دوہرایا۔ کپڑے استری ہو چکے تھے۔ اب میں جوتے نکال رہی تھی۔

"آج ماما تمہارے گھر آئیں گی۔" بالآخر اس نے فون کرنے کی وجہ بتا ہی دی تھی۔ لمحہ بھر کے لیے میں تھم سی گئی تھی اور میرے دل کی دھڑکنیں بھی بے ترتیب ہو گئیں۔ مجھ سے کچھ بولا ہی نہیں گیا تھا اور میری خاموشی سے وہ اپنے مطلب کے معنی اخذ کرنے لگا۔

"تمہیں برا لگا؟" حالانکہ وہ جانتا تھا کہ مجھے ہرگز برا نہیں لگا مگر پھر بھی اس نے پوچھا۔

"مجھے برا کیوں لگے گا۔ آفٹر آل میرے استاد محترم

کی ماما آئیں گی۔ مجھے تو ابھی سے مینو کی فکر ہو گئی ہے۔" کچھ دیر بعد میں نے کافی ہلکے پھلکے لہجے میں کہا تھا۔

"اچھی بات ہے.... اپنی کوکنگ کے جوہر دکھا کر ماما کو امپریس کر لینا۔" وہ شاید مسکرایا تھا۔

"مجھے بھلا کیا ضرورت ہے۔" میں نے مصنوعی ناراضی سے کہا اور چپکے سے کال منقطع کر دی تھی۔ دراصل میں کچھ گھبرا گئی تھی اور ایسی گھبراہٹ کا شکار بھی میں پہلی مرتبہ ہوئی تھی اور یہ گھبراہٹ کیف کی ماما کو دیکھ کر کچھ اور بڑھ گئی تھی۔ ان کی شخصیت ہی کچھ ایسی تھی کہ پہلی نظر میں ہی بندہ کچھ گھبراہٹ اور خوف کا شکار ہو جاتا تھا۔ مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان کی شخصیت کے لیے کون کا سا لفظ مناسب تھا۔ باوقار، مہذب، بارعب یا پراسرار انہوں نے ماتھے تک دوپٹہ لے رکھا تھا۔ یوں کہ آنکھیں تک دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔ جھکا ہوا سر اور جھکی ہوئی آنکھیں۔ خاموش لب، سادہ سا چہرہ، آنکھوں میں سادگی تھی، کوئی سوال نہیں تھا۔

صاف بات تو یہ تھی۔ بڑی مما اور میری مما کو کیف کی ماما پسند نہیں آئی تھیں اور جب گھر والے پسند نہیں آئے تھے تو پھر ایبک کو دیکھنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ڈیڈی اور پاپا خاموش تھے۔ فی الحال انہوں نے کوئی رائے نہیں دی تھی اور نہ ہی انہوں نے ایبک سے ملنے یا دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی جبکہ مما اور بڑی مما نے صاف کہہ دیا تھا۔

"کافی بھری پُری فیملی ہے.... ایبک کے پانچ بھائی، ماں اور خیر سے معذور دادی بھی موجود ہیں۔ مجھے تو ساحی کے لیے یہ رشتہ پسند نہیں۔ اوپر سے ایبک کی ماں نے ہمارے ساتھ کلام تک نہیں کیا۔"

"بڑا خاندان ہونے میں کیا برائی ہے۔" اس وقت تو ڈیڈی اور پاپا کی موجودگی کے باعث میں کچھ نہیں بولی تھی۔ تاہم ان کے اٹھنے کے فوراً" بعد مجھ سے رہا نہیں گیا تھا سو بول اٹھی۔

"تمہیں کچھ پتا نہیں ساحی! یہ بڑوں کی بات ہے۔ ہمارے درمیان ہی رہنے دو۔ ہم جو مناسب سمجھیں گے۔ وہ ہی فیصلہ کریں گے۔" خلاف معمول مما نے مجھے بغیر ڈپٹے آرام سے سمجھانے والے انداز میں کہا تھا۔

"ایک ہی تو پوائنٹ مجھے اپنے حق میں مناسب لگا تھا اور آپ اسی پر اعتراض کر رہی ہیں۔" میری دیرینہ خواہش پوری ہونے والی تھی۔ کسی بڑے خاندان کا حصہ بننا میرا خواب تھا۔ ایسا گھر، جس کے مکین میری تعلیم کی بجائے میرے سلیقے اور سگھڑاپے کے گن گائیں اور میں اپنے خلوص اور خدمت گزاری کے جذبے کی بدولت ان کے دلوں کو جیت لوں اور میں جانتی تھی، اس وقت مما اور بڑی مما نے مجھ پر فخر کرنا تھا۔ فی الحال تو وہ میرے اکلوتے پن کی وجہ سے تذبذب کا شکار تھیں۔

"تم شروع سے تنہا اور پُرسکون ماحول میں رہنے کی عادی ہو بیٹا! تمہارے لیے ایک پورے کنبے کے ساتھ رہنا بہت مشکل ہو گا۔" بڑی مما نے مجھے سمجھانا چاہا تھا مگر میں نے ان کی بات پر دھیان نہیں دیا۔

"مما! یہ پوائنٹ تو بہت ویک ہے۔ میں ہر طرح کے ماحول میں ایڈجسٹ کر لوں گی۔" بات تو کافی بے شرمی والی تھی۔ اپنے پرپوزل پر یوں کھلی ڈلی گفتگو کرنا مگر میں مشرقی لڑکی بننے کی اداکاری کر کے خاموش رہنے کے چکر میں اتنا اچھا پروپوزل ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتی تھی۔ اب تو کوئی ڈھنگ کا پروپوزل آیا تھا۔ ورنہ اس سے پہلے جو خواتین ہمارے گھر آ چکی تھیں۔ وہ سب سے پہلے میرے میٹرک میں گریڈ اور نمبر پوچھنے لگتی تھیں اور جنہیں خبر ہو جاتی تھی کہ میں نے میٹرک تین سال میں کلیئر کیا ہے۔ تو وہ مڑ کر دیکھنے کی کوشش بھی نہیں کرتی تھیں۔

"پلیز مما! محض اس وجہ سے آپ کیف کے گھر والوں کو انکار مت کیجیے گا۔" میں نے التجائیہ کہا تھا اور اب تو مجھے پورا یقین تھا کہ مما جوتی اتار ہی لیں گی مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا، بلکہ اس کے برعکس مما نے میرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا اور بھرائی آواز میں بولیں۔

"بیٹا! ہم تمہارے لیے ہر چیز پرفیکٹ دیکھنا چاہتے ہیں۔ تم ہماری اکلوتی بیٹی ہو۔ ہر ماں، باپ اپنی اولاد کے لیے حساس ہوتے ہیں۔" مما بہت دیر تک مجھے سمجھاتی بجھاتی رہی تھیں۔ زمانے کی اونچ، نیچ.... اتار چڑھاؤ، زندگی کے نشیب و فراز.... اور میں خاموشی سے سر جھکائے سنتی رہی تھی۔ مگر میرا دل پھر بھی ایبک کے حق میں ووٹ دے رہا تھا۔

"ایک دفعہ دیکھ لینے میں کوئی حرج بھی نہیں۔" بہت دیر سوچنے کے بعد بڑی مما نے دھیمی آواز میں کہا تھا۔

"مجھے سفینہ (کیف کی ماما) کا رویہ بہت عجیب لگا تھا بھابھی!" مما اور بڑی مما اب بہت دیر گفتگو کرنے کا ارادہ رکھتی تھیں، سو میں چپکے سے اٹھ گئی۔

☼ ☼ ☼

آنے والے بہت سارے دن اسی سوچ بچار میں گزر گئے تھے۔ مما لوگ ایک دفعہ جہلم جا کر ایبک کو بھی دیکھ آئی تھیں۔ ڈیڈی اور پاپا کے علاوہ اسود بھائی اور عماد بھائی بھی ایبک سے مل کر آئے تھے اور وہ انہیں ہر لحاظ سے اچھا لگا تھا۔

"اپنی ماں کی طرح ہے.... مہذب، خاموش.... باوقار اور۔" یہ مما کا ایبک کے لیے تبصرہ تھا۔ مما کچھ کہتے کہتے رک گئی تھیں اور میں ان کی خاموشی سے بے چین ہو گئی۔

"اور کیا بھلا؟ پُراسرار....؟" میری زبان بھلا رک سکتی تھی۔ مما نے مجھے ہمیشہ کی طرح گھوری سے نوازا تھا۔

"نہیں.... بہت سنجیدہ مزاج۔" مما مجھے نہیں بلکہ غانی کو بتا رہی تھیں، جو خرابی طبیعت کی وجہ سے جہلم نہیں جا سکی تھی اور اب خسکے لینے کے لیے صبح صبح اسود بھائی کے ساتھ نازل ہو گئی تھی۔ اسود بھائی اسے ڈراپ کر کے اپنے آفس چلے گئے تھے۔

"ایبک کا بزنس اچھا چل رہا ہے ماشاء اللہ سے، اس نے چند سال میں ہی بہت ترقی کی ہے۔" بڑی مما ایبک سے کچھ زیادہ ہی متاثر ہو گئی تھیں۔

"شکل و صورت کیسی ہے۔ گورا ہے؟ کالا ہے؟ سانولا ہے؟ کیسا ہے؟" غانی نے مچل کر پوچھا تھا۔ اب کے مما نے غانی کو گھورا۔

"بہت خوش شکل ہے۔ ساحی کے ساتھ جچے گا۔" جواب بڑی مما کی طرف سے آیا تھا اور اس جواب نے مجھے بھی مطمئن کر دیا تھا۔

ایبک سے چھوٹے چار اور بھائی تھے۔ سب سے بڑا ایبک تھا اور اس کے بعد کیف، عون، فائز اور اشعر تھے۔ اور یہ بات سن کر ہم حیران رہ گئے تھے کہ عون اور فائز دونوں شادی شدہ تھے۔ مما نے اس بات پر بھی خاصا اعتراض کیا تھا کہ بڑوں کو چھوڑ کر چھوٹے دونوں کی شادی کیوں کی ہے۔ ویسے میری مما کو اعتراضات تو اور بھی بے شمار تھے مگر مسئلہ یہ تھا کہ مما کو اپنی قدرے فربہی مائل، نالائق سی بیٹی کے لیے ایبک جیسا اسمارٹ، خوبرو اور لائق فائق لڑکا پسند آ گیا تھا۔ سو بھرا پرا کنبہ بھی مما نے نظر انداز کر دیا تھا اور سفینہ آنٹی کا رویہ بھی۔

بڑوں کے درمیان تمام معاملات طے پا گئے تھے۔ اب مجھے بی اے کی بجائے بیاہ ہی کرنا تھا مگر نجانے کیوں سب کچھ حسب منشا ہونے کے باوجود اندر کہیں عجیب سی بے قراری چٹکیاں بھرنے لگی تھی اور میں کافی دن تک تو یہی سمجھتی رہی تھی کہ شاید مما اور پاپا سے دوری کا احساس دل میں چبھن دے رہا ہے۔ دل کو اداسی کی دبیز چادر میں لپیٹ رہا ہے مگر یہ احساس پاپا کے گھر سے لے کر ایبک کے گھر تک میرے ساتھ رہا تھا مگر اس سے بھی پہلے کچھ اضطراب تو میرے اندر خود بخود بھرنے لگا تھا۔

ایک دن کیف چلا آیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ میں اس کے ساتھ جا کر اپنی شادی کی شاپنگ کر لوں۔ اس میں کوئی اعتراض والی بات بھی نہیں تھی۔ سو مما نے مجھے اجازت دے دی تھی۔

تقریباً" تین دن تک شاپنگ کا سلسلہ چلتا رہا تھا۔ اگرچہ شاپنگ بھی میں نے نہ ہونے کے برابر کی تھی۔

ایک تو مروت میں کافی ہلکے پھلکے اور کم قیمت کے کپڑے لیے تھے۔ دوسرے مجھے ویسے بھی بھاری لباس سے الجھن ہوتی تھی اور جب لہنگے کی باری آئی تو کیف نے مجھ سے پوچھا۔

"لہنگا کیسا ہونا چاہیے؟"

"لہنگا نہیں۔"

"تو پھر؟"

"میں کچھ اور لوں گی۔" میں نے بھاری بھرکم لہنگے دیکھ کر ایک ہلکا سا نفیس کام والا شلوار قمیص پسند کر لیا تھا۔

"شاکنگ پنک لے لو' ایبک کو یہ کلر پسند ہے۔" کیف نے مجھے سرخ رنگ کا انتخاب کرتے دیکھ کر فوراً" کہا تھا۔ حالانکہ سرخ رنگ کو میں اپنا لکی کلر سمجھتی تھی۔ یہ رنگ میرا پسندیدہ تھا مگر اس کے باوجود میں نے ایبک کی پسند کو اولیت دی تھی۔

شاپنگ کے دوران یوسما ہمارے ساتھ رہی تھی۔ یوسما کیف کی کزن اور منگیتر تھی اور جس طرح کیف اس پر دل کھول کر خرچ کر رہا تھا۔ مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ کیف یوسما سے بے انتہا محبت کرتا ہے۔ کیف کی یوسما کے لیے محبت اس کے ہر ہر انداز سے ظاہر ہو رہی تھی اور میں وثوق سے کہہ سکتی تھی کہ اتنی خریداری میں نے نہیں کی تھی' جس قدر یوسما نے کی تھی۔ مہنگے ترین کپڑے اور سونے کے زیورات' اس کے علاوہ بھی نجانے کیا کچھ۔

میرا سامان کیف نے میرے حوالے کر دیا تھا اور یوسما پوری گاڑی اپنی چیزوں سے بھر کر جہلم چلی گئی۔ حالانکہ جب میں برائیڈل ڈریس خرید رہی تھی تب کیف برابر مجھے جتا رہا تھا۔

"ہاتھ ہولا رکھنا فرینڈ! تمہارے انہوں نے میری جیب میں کچھ خاص رقم بھر کر نہیں بھیجا۔"

"اپنے بھائی سے کہنا' وہ شادی کر رہا ہے یا پھر برتھ ڈے سیلیبریٹ کر رہا ہے۔" میں نے بھنا کر کہا تھا۔

اگرچہ مجھے خود ان باتوں کا خاصا خیال تھا مگر کیف کا بار بار جتانا مجھے بہت برا لگ رہا تھا۔

پھر ایک دن کیف نے اچانک فون کر کے مجھے حیران کر دیا۔ "ایبک سے بات کرو گی؟" وہ مجھ سے پوچھ رہا تھا۔

"میں.... مگر کیوں؟" میں گھبرا اٹھی۔ شادی میں چند دن تو رہ گئے تھے اور آج سے پہلے ادھر سے کوئی ایسا معاملہ سامنے نہیں آیا تھا اور پھر مما سے پوچھے بغیر میں بھلا کیسے بات کر سکتی تھی۔

"بس ایسے ہی تم نہیں کرنا چاہتیں تو کوئی بات نہیں۔" کیف نے مزید کچھ سننے سے پہلے فون رکھ بھی دیا تھا۔ سچ تو یہ تھا کہ کیف کو بھی میں سمجھ نہیں پائی تھی۔ عجیب سا بندہ تھا۔ گھڑی میں تولہ' گھڑی میں ماشہ۔

ان ہی الجھی سلجھی سوچوں سمیت شادی کا دن بھی آگیا تھا۔ اس دن عام لڑکیوں کی طرح مجھ پر بھی گھبراہٹ سوار تھی اور آنسو بھی وقتاً" فوقتاً" بغیر کسی وجہ کے گرتے جا رہے تھے۔ مما اور بڑی مما میرے سامنے خود کو بشاش رکھنے کی کوشش کر رہی تھیں مگر یہ کوشش کبھی کبھی ناکام ہو جاتی تھی۔ پورا گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ گھر کے لان میں شامیانے لگے تھے۔

رات کو مہندی کی تقریب کا انتظام ہوٹل میں تھا۔ البتہ بڑی مما کی خواہش تھی کہ رخصتی کسی ہوٹل سے نہیں' بلکہ گھر سے ہونا چاہیے۔

نکاح سے کچھ دیر پہلے میں نے عجیب سی دبی دبی سرگوشیاں سنی تھیں اور کچھ دیر بعد کھل کر بات سامنے آگئی۔ کیف نے مما سے بڑے واضح لفظوں میں کہا تھا۔

"آنٹی جی! آپ نکاح نامے میں' حق مہر کے طور پر ایبک سے کچھ بھی لکھوالیں۔ ساحی کے تحفظ کے طور پر۔"

"پر بیٹا! اس کی کیا ضرورت ہے۔ جو کچھ شرعی طور پر ہو گا' ہمیں منظور ہے۔" مما نے سلیقے سے کہا تھا۔

اگرچہ بات تو درست تھی مگر میرے والدین اس چیز کو کافی غیر مناسب سمجھتے تھے۔

"نہیں آنٹی! ضرورت ہے۔ یہ ساحی کا حق ہے۔" وہ اپنی بات پر زور دے کر بولا تھا۔ "میں ایبک سے بات کر چکا ہوں۔ وہ اپنا گھر' چار فرنچائز میں سے دو فرنچائز اور کارخانہ ساحی کے نام لکھ دے۔ یہ ساحی کا حق مہر ہو گا۔"

"مگر یہ تو بہت زیادہ ہے۔" مما گھبرا کر بولیں۔

"اتنا بھی زیادہ نہیں..... میں نے کہا نا' یہ ساحیہ کا حق ہے۔"

اس کا انداز دو ٹوک قسم کا تھا۔ مما چپ سی ہو گئی تھیں۔ اگرچہ مجھے بھی یہ حق مہر بہت زیادہ لگ رہا تھا مگر میں بولنے کی پوزیشن میں نہیں تھی ورنہ ضرور بول اٹھتی۔

"ایبک کیا سمجھے گا۔ ہم کس قدر لالچی ہیں۔" مجھے یہی سوچ مارے ڈال رہی تھی۔ میں مما کو منع کرنا چاہتی تھی مگر پاپا اور ڈیڈی کے ساتھ مولوی صاحب کو دیکھ کر خاموش ہو گئی تھی۔ اگرچہ سننے میں آیا تھا کہ ایبک نے کیف کے اس مطالبے پر کافی ناگواریت کا اظہار کیا تھا۔ وہ مان نہیں رہا تھا مگر نجانے کیسے کیف نے اسے منا کر ہی دم لیا۔ کیف کے خلوص اور ہمدردانہ فطرت کی میں کچھ اور قائل ہو گئی تھی۔

سفینہ بیگم یعنی کیف کی ماما' اس وقت بھی کچھ نہیں بولی تھیں' جب حق مہر کے متعلق دبی دبی سرگوشیاں ہونے لگی تھیں۔ تب بھی وہ خاموش اور سر جھکائے بیٹھی رہی تھیں۔ نہ ان سے کسی نے پوچھا تھا' نہ مشورہ لیا اور نہ ہی بڑھ چڑھ کر انہوں نے بولنے کی کوشش کی تھی۔ ایک چپ تھی ان کی' جو گھر آنے کے بعد بھی نہیں ٹوٹی تھی۔

بس انہوں نے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر خاموش لبوں سے ایک دعا دی تھی اور میرے لیے ان کی یہ دعا پوری زندگی کا حاصل تھی۔

"سدا سکھی اور آباد رہو۔"

☆ ☆ ☆

ایبک کے ساتھ نئی زندگی کی شروعات نے میرے سارے خدشات دور کر دیے تھے۔ مجھے خوف تھا کہ وہ ضرور حق مہر میں لکھوائی جانے والی لمبی چوڑی جائیداد کے طعنے دے گا جتائے گا یا کبھی کبھار طنز کی مار مارے گا۔ تاہم ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ وہ میرے لیے ٹوٹ کر چاہنے والا شوہر ثابت ہوا تھا اور اس کی محبت پر پہلے روز ہی میرا دل ایمان لے آیا تھا۔ سب سے پُرمسرت بات یہ تھی کہ اس نے میرے تعلیمی ریکارڈز کا ریکارڈ ہرگز نہیں لگایا تھا بلکہ اس معاملے میں بھی اس نے کوئی سوال جواب نہیں کیا تھا۔ عموماً" وہ زیادہ تر خاموش رہتا تھا۔ اپنے بھائیوں کے ساتھ بھی اس کی گپ شپ نہ ہونے کے برابر تھی مگر اس کے باوجود وہ اپنی ماں اور بھائیوں سے بے حد محبت کرتا تھا اور مجھ سے بھی اس نے صرف اتنا ہی کہا تھا۔

"ساحیہ! مجھے امید ہے' تم میرے گھر میں ایک اچھا اضافہ ثابت ہو گی۔ پلیز! میری ماں اور بھائیوں کی عزت کرنا۔ ان کا خیال رکھنا۔ اس گھر میں سب سے مظلوم ہستی میری دادی ہیں۔ میں تم پر کوئی بوجھ نہیں ڈال رہا' بس دن میں کبھی کبھار ان کی خبر گیری کر لیا کرنا اور دوسرے نمبر پر میری ماں ہیں۔ ان کی ذات بھی قابل توجہ ہے۔ تھوڑا سا وقت انہیں بھی دے دیا کرنا اور بس' میرا تم سے کوئی مطالبہ نہیں۔ میں ہمیشہ تم سے مخلص رہوں گا اور تم سے محبت کرتا رہوں گا۔ بس ایک وعدہ کرو' کبھی بھی اپنے دل کو کسی اور کے خیال سے آلودہ نہیں کرو گی۔ میں سب کچھ برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتا ہوں مگر بے وفائی ہرگز نہیں۔ تمہیں کیف نے میرے لیے پسند کیا ہے اور مجھے امید ہے کہ تم ہم سب کے حق میں بہتر ثابت ہو گی۔ ہم بھائیوں میں بہت پیار ہے۔ ہمارے اس پیار کو ہمیشہ قائم رکھنے کی کوشش کرنا۔"

میں نے اثبات میں سر ہلا کر اسے سرشار کر دیا تھا۔

میرے لیے ایبک کی ہر بات حکم کا درجہ رکھتی تھی۔ جس طرح ایبک نے مجھے اپنے دل میں جگہ دی تھی' اسی طرح وہ بھی میرے دل کے ہر گوشے میں سما گیا تھا۔
وہ ایسا ہی تو تھا۔ ہمیشہ چاہے جانے کے لائق' بہت اچھا' بہت نیک' ہر دلعزیز۔ ایسے ہی لوگ ہمیشہ دلوں پر حکومت کرنے کا فن رکھتے ہیں۔ رخسانہ آنٹی اسی لیے تو ایبک کو اپنا داماد بنانا چاہتی تھیں۔ جب ادھر سے دل برداشتہ ہو گئیں تو پھر بٹی اور شوہر کے پاس چلی گئیں۔
ایبک اور کیف کے علاوہ اعلا تعلیم کسی اور نے حاصل نہیں کی تھی۔ عون اور فائز دونوں نے انٹر کے بعد شادی کرلی تھی اور دونوں ہی ایبک کے کاروبار سے منسلک ہو گئے تھے۔ دونوں کو مناسب جاب ایبک نے ہی مہیا کی تھی۔ تاکہ وہ اپنی فیملی کا بوجھ خود اٹھا سکیں۔
اشعر ہاسٹل میں مقیم تھا۔ کم کم ہی گھر آتا تھا۔ البتہ عون اور فائز کی بیویاں نیما اور سمی گھر میں ہی ہوتی تھیں اور گل سے بھی بڑھ کر سست اور کاہل تھیں۔ پورا گھر نجمہ بی کے کندھوں پر تھا۔ وہ سیاہ و سفید کی مالک تھیں۔ جو مرضی پکا دیتی تھیں اور جیسا مرضی پکاتیں' یہ سب صبر اور شکر کرکے کھالیتے تھے کہ گھر کی خواتین نے کبھی ضرورت کے وقت بھی کچن میں نہیں جھانکا تھا۔
کیف ٹھیک ہی کہتا تھا۔ ان کے گھر میں سلیقے' قرینے کی بہت کمی تھی۔ تاہم یہ بات سراسر غلط تھی کہ کچن کیف سنبھالتا ہے۔ شاید اس وقت مذاقاً اس نے کہہ دیا ہو گا تاہم میں تو صرف نجمہ بی کو ہی ہر ایک پر رعب جماتے اور کاموں کا رونا روتے دیکھ رہی تھی۔
ایبک بہت مصروف رہتا تھا۔ اس کا کام ہی ایسا تھا کہ وہ رات سے پہلے گھر نہیں آتا تھا۔ نجمہ بی نے بتایا کہ ایبک کھانا باہر سے کھالیتا ہے اور مجھے سالن کے نام پر ملغوبے دیکھ کر ان کی بات پر یقین آگیا تھا۔ ایسے ملغوبے سے باہر کا کھانا ہی بہتر تھا۔ مگر گھر کے مرد بے چارے بھلا کیا کرتے۔
ماما کا زیادہ وقت اپنے کمرے میں گزرتا تھا۔ وہ پورا دن عبادت میں مشغول رہتی تھیں۔ گویا انہوں نے دنیا کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ ایک عرصے سے ان کی یہی روٹین تھی۔ تینوں وقت کا کھانا انہیں کمرے میں پہنچا دیا جاتا تھا۔
اسی طرح ہڈیوں کا ڈھانچہ سی' آثار قدیمہ جیسی دادی بھی پلنگ پر چت لیٹے بس چھت کو گھورتی رہتی تھیں اور جب اس کام سے تھک ہار جاتیں تو پھر گہری نیند میں گم ہو جاتیں۔ نجمہ بی جیسے تیسے بدمزا سی یخنی انہیں پلا جاتی تھیں۔
نیما اور سمی نے کبھی ساس اور دادی ساس کے کمرے میں جھانکنے کی بھی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ سارا دن اے سی لگائے اپنے اپنے کمروں میں بند ٹی وی دیکھنے میں مصروف رہتی تھیں۔ دونوں کے پاس ایک ایک بچہ تھا اور ان کی اپنی بے شمار مصروفیات تھیں' سو وہ گھر پر بھلا کیوں توجہ دیتیں۔ سونے' کھانے اور آرام کرنے کے علاوہ ان کا تیسرا محبوب ترین مشغلہ پارلر کے چکر لگانا تھا۔ صحت اور حسن کو نکھارنے کے علاوہ کوئی اور کام ان کے پاس نہیں تھا۔
اس گھر کی خواتین کی روٹین دیکھ کر تو مجھے غش آنے لگے تھے۔
"نیما اور سمی گھر کی طرف توجہ کیوں نہیں دیتیں۔"
میں پورا ہفتہ مما کے گھر رہنے کے بعد واپس آئی تھی۔ یہاں آتے ہی اسی گندگی' غلاظت نے استقبال کیا تھا۔ رانی اگرچہ صفائی کرکے گئی تھی مگر پھر بھی جگہ جگہ فروٹ کے چھلکے اور ٹافیوں کے ریپرز پڑے تھے۔ حتیٰ کہ صوفوں کے اوپر بسکٹس کا چورا بھی شان سے بکھرا ہوا تھا۔ اگر لاؤنج میں بیٹھ کر بیٹ پوجا کی گئی تھی تو پھر جھوٹے برتن اور چھلکے سمیٹنے میں کتنا ٹائم لگ جاتا تھا۔ رات کو ایبک اپنے مخصوص ٹائم یعنی ساڑھے گیارہ بجے گھر آیا تو میں نے کافی ناگواری سے اپنے بھرے دل کو خالی کرنا چاہا تھا۔
"وہ اس گھر کو اپنا گھر نہیں سمجھتیں' سو اس لیے۔"
وہ فریش ہو کر بیڈ پر نیم دراز ہو گیا تھا۔ ایبک کو اور مجھے بھی ٹی وی سے دلچسپی نہیں تھی۔ سو ہمارے کمرے کا ٹی وی خاموش رہتا تھا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔" میں برا مان گئی۔ "جس گھر میں قیام ہو' چاہے وہ کرائے کا ہی کیوں نہ ہو' اسے اپنا سمجھ کر اس کی حفاظت اور دیکھ بھال کرنا چاہیے۔"
"یہ تو تمہاری سوچ ہے۔" اس نے لیٹے لیٹے جواب دیا۔
"مگر انہیں بھی ایسا سوچنا چاہیے۔ رانی ایک دفعہ صفائی کر جاتی ہے۔ پورا دن ہمیں خود ہی گھر کو صاف رکھنا ہوتا ہے۔ اگر گندگی یا پھیلاوا نہیں سمیٹیں گے تو اگلے دن تک بھلا کیا حالت ہوتی ہو گی۔ بچے اس گندگی میں کھیلنے لگتے ہیں۔ فرش سے گندی چیزیں اٹھا کر کھاتے ہیں۔ اسی لیے آئے دن ڈاکٹروں کے پاس بھاگی رہتی ہیں۔" میں نے کلس کر کہا تھا۔ اپنا سجا سجایا میکے والا گھر دیکھ کر آئی تھی سو اسی لیے طبیعت خاصی اوب رہی تھی کیونکہ میرے پیچھے اس کمرے کی صفائی تک نہیں کروائی گئی تھی۔ فرنیچر پر گرد کی ایک تہہ چمک رہی تھی۔
"اب بھلا میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ عون اور فائز کو چاہیے' ان چیزوں کی طرف دھیان دیں۔ بیویوں سے کہیں' کچھ اور نہ سہی' کم از کم کچن کی طرف توجہ خود دے لیا کریں۔ مہینے بھر کا راشن دس دن میں اڑ جاتا ہے۔ ظاہر ہے' جب گھر کی خواتین توجہ نہیں دیں گی تو ہر چیز کو ضائع کر دیا جائے گا مگر یہاں شروع سے ہی ایسے حالات ہیں۔ دادی اور ماما سیدھی سادی خواتین تھیں۔ پکانا' کھلانا آتا نہیں تھا۔ شروع سے ہی نجمہ بی سنبھالتی ہیں۔ نیما اور سمی نے یہی کچھ دیکھا ہے۔ سو انہیں جان مارنے کی بھلا کیا ضرورت ہے۔ خیر چھوڑو' ان باتوں کو یہ بتاؤ' گھر والے کیسے ہیں؟ سفر میں پرابلم تو نہیں ہوئی؟"
ایبک نے بات بدل دی تھی۔ جس بات کا کوئی نتیجہ نہیں نکلنا تھا۔ اس پر بھلا بحث میں وقت کیوں ضائع کیا جاتا۔ اب وہ میرا حال احوال پوچھ رہا تھا۔ وہ میرے متعلق چھوٹی سے چھوٹی بات بھی بہت دھیان سے سنتا تھا۔ اگرچہ چھوڑ کر تو مجھے ایبک ہی آیا تھا تاہم واپس میں ڈرائیور کے ساتھ آئی تھی۔ ایک ہفتہ تک رہنا تو نہیں تھا مگر چونکہ عماد بھائی فیملی سمیت کراچی سے آگئے تھے سو ان کے بچوں کے لیے میں وہاں رک گئی تھی۔ حالانکہ میرا ابھی مزید رہنے کا ارادہ تھا مگر ایبک نے مجھے ایک دن بھی اوپر نہیں رہنے دیا تھا۔
"مسئلہ تو کوئی نہیں تھا مگر میں نے آپ کو بہت مس کیا۔" میں ہونٹوں میں مسکان دبائے مزے سے بولی۔ اگرچہ میں نے سچائی کو ظاہر کیا تھا مگر ایبک میرے اس سچ کو ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔
"سراسر جھوٹ۔ اگر مس کرنا ہی تھا تو میرے ساتھ ہی واپس آجاتیں۔"
"پورے دو ماہ بعد گئی ہوں جناب' صرف ایک ہفتے کے لیے۔"
"اور میرے لیے یہ ہفتہ پورے دو ماہ کے برابر تھا۔ دن گزرتا تھا نہ رات۔" وہ میری طرف دیکھ کر دلکشی سے مسکرا دیا۔
"سراسر جھوٹ' اگر ایسی بات تھی تو آجاتے نا۔" میں لاڈ سے بولی۔
"بس جی' کیا کریں..... مجبوری تھی۔" ایبک نے ٹھنڈی آہ بھری۔
"کیسی مجبوری؟" میں نے آنکھیں دکھائیں۔
"میری جان! کاروبار سلطنت کی مجبوریاں کیا کم ہیں۔ ذرا ادھر ادھر ہو جاؤں تو لاکھوں کا نقصان ہو جاتا ہے۔" وہ دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے بولا تھا۔
"کیوں بھلا' فائز اور عون وغیرہ ہوتے تو ہیں۔"
"مگر وہ اتنی توجہ نہیں دیتے۔ لاکھوں کا نقصان ان کی نظر میں کچھ نہیں ہوتا۔ اگر میری غیر موجودگی میں کچھ اونچ نیچ ہو جائے تو وہ لوگ سنبھال نہیں سکتے۔ ابھی ناسمجھ ہیں۔ آہستہ آہستہ سب سمجھ جائیں گے۔"
وہ حد درجہ سنجیدہ تھا اور خاموش ہی رہتا تھا۔ کم بولتا تھا مگر بہت اچھا بولتا۔ زیادہ تر میں ہی اسے بولنے پر اکساتی تھی۔ خود سے کبھی بھی گفتگو کا آغاز نہیں کرتا تھا۔ ہاں' محبت لٹانے کے معاملے میں وہ کنجوس ہرگز نہیں تھا اور اظہار کے معاملے میں تو بالکل نہیں۔ اپنے مخصوص لہجے میں دھیما دھیما بولتا وہ سیدھا دل

میں اتر جاتا تھا۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" وہ میرے بازو پر ہاتھ رکھے بڑی نرم گرم جذبے لٹاتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"آپ کے علاوہ کچھ اور سوچ سکتی ہوں۔" میں اس کی محبت لٹاتی نظر سے نظر چرا گئی تھی۔

"ہمیشہ ایسا ہی ہونا چاہیے۔" اس کا گمبھیر لہجہ یوں ہی دل دھڑکا دیتا تھا۔

"بھلا کیسے؟" میں نے بوجھل پلکوں کو بمشکل اٹھا کر پوچھا۔

"تمہاری سوچوں میں' خیالوں میں' باتوں میں صرف میں ہوں' میرے علاوہ کوئی اور نہیں۔" وہ دھیمی آواز میں بولا تھا۔

"میرا دل پکا ایمان دار ہے۔ بے ایمانی نہیں کرتا۔"

"اور میں اسے بے ایمانی کرنے بھی نہیں دوں گا۔" وہ میرے کان کے قریب گنگنایا تھا۔ ایبک کی قربت کا خمار اس کی آنکھوں سے ہوتا ہوا میرے دل میں اتر آیا تھا اور میں اپنے دل کی بے ترتیب دھڑکنوں کی آواز اپنے کانوں سے سن رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

دن کچھ اور آگے سرکے تو گھر کے حالات کو دیکھتے ہوئے میں نے کچن ہی نہیں بلکہ پورے گھر کا انتظام سنبھال لیا تھا اور میرے اس عمل سے کسی اور کو تو نہیں البتہ نجمہ بی کو خاصا دھچکا پہنچا تھا۔ انہوں نے دبے دبے لفظوں میں مجھے سمجھانا بھی چاہا تھا۔ ان کی ہر ممکن کوشش تھی کہ میں امور خانہ داری سے دور ہی رہوں مگر میں نے ان کی کسی کوشش کو کامیاب نہیں ہونے دیا تھا۔

میرے کچن سنبھالتے ہی ہر چیز میں ترتیب اور نفاست نظر آنے لگی تھی اور خوش رنگ کھانے دیکھ کر تو کیف کے علاوہ عون اور فائز بھی تعریف کیے بنا نہیں رہ سکے تھے۔

اس گھر کے افراد کا ایک مسئلہ تو یہ تھا کہ سب لوگ ایک جگہ بیٹھ کر کھانا نہیں کھاتے تھے۔ رات کو مرد حضرات گھر میں ہوتے تھے مگر پھر بھی کھانا اپنے اپنے کمروں میں ہی کھایا جاتا تھا۔ اس کے باوجود تقریباً سب ہی ہر روز نت نئی ڈشز کو دیکھ کر نہ صرف چونکے تھے بلکہ فرداً" فرداً" سب ہی نے میرے ہاتھ کے ذائقے کو سراہا بھی تھا۔ ان میں نیا اور سمی بھی شامل تھیں۔

"ساحی بھابھی! آپ تو بڑا اچھا کھانا بنا لیتی ہیں۔ کیا باقاعدہ کورس کیا ہے۔" سمی تو کچھ زیادہ ہی متاثر نظر آ رہی تھی۔

"نہیں' میں نے اپنی بڑی مما سے سیکھا ہے۔" میں بھلا جھوٹ کیوں بولتی۔

"آپ میں بہت سلیقہ ہے بھابھی!" اب کے نیا نے کہا۔ ایک بات تو اچھی تھی کہ یہ دونوں میری تعریف سے نہ جلتی تھیں اور نہ ہی سراہنے میں بخل سے کام لیتی تھیں۔ اور پھر میں کون سا کسی سے تعریفی سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کے لیے کام کرتی تھی۔ یہ میرا گھر تھا اور ایبک کے حوالے سے اس گھر کا ہر کام میرے لیے اہم تھا اور ہر فرد اہم ترین۔

کچن کی حالت بہتر کرنے کے بعد میں نے دادی کا کمرا دیکھا تھا۔ وہ اس گھر کی بزرگ ہستی تھیں' مگر ان کی اہمیت اور حالت کسی ٹوٹے پھوٹے ناکارہ سامان سے بڑھ کر نہیں تھی۔

سب سے پہلے میں نے ان کے لیے آئرن راڈ کا سنگل بیڈ منگوایا' جس کا گدا انتہائی نرم اور آرام دہ تھا۔ اس پرانے قدیم پلنگ کو اٹھا کر اسٹور روم میں رکھوا دیا تھا۔ دادی کے کمرے کے صدیوں پرانے پردے میل کچیل اور دھول مٹی کے باعث اپنی اصل رنگت کھو چکے تھے۔ انہیں اتروا کر کوڑے دان میں پھینکوایا اور نئے پردے دیے تھے۔ چھتیں' دروازے اور کھڑکیاں جھاڑیں۔ فرش کو سرف ڈال کر رگڑ رگڑ کے رانی سے دھلوایا۔ کمرے میں اتنے سالوں سے رچی بو کا دھیرے دھیرے ہی سہی خاتمہ ضرور ہو گیا تھا۔

دادی کے سارے کپڑے استری کروا کر الماری میں ترتیب سے رکھے تھے۔ ایک سفید رنگ کا سوٹ انہیں نہلا' دھلا کر پہنا دیا۔

اور جب دوبارہ انہیں کمرے میں لایا گیا تو ان کی بوڑھی آنکھیں روشن روشن منظر دیکھ کر نمی کے باعث چمکنے لگیں۔ وہ بول نہیں سکتی تھیں مگر اشاروں سے انہوں نے مجھے بتا دیا تھا کہ وہ بہت خوشی محسوس کر رہی ہیں۔ انہوں نے اشارے سے مجھے اپنے قریب بلوایا اور میرے ہاتھوں اور سر کو چوما تھا۔ اس محبت کے اظہار پر میری آنکھیں بھی نم ہو گئی تھیں۔ میں نے دادی کے سفید جھاگ جیسے بالوں پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

"دادی! اس میز پر کیلے رکھے ہیں۔ آڑو بھی موجود ہیں۔ یہ پھل نرم ہے۔ آپ آسانی سے کھا لیں گی۔ بوائل پانی بھی پاس ہی رکھا ہے۔ آپ کو کسی بھی چیز کی ضرورت ہوئی تو یہ گھنٹی بجائیے گا۔ رانی فوراً" آجائے گی۔ میں ابھی آپ کے لیے مزیدار سا سوپ بنا کر لاتی ہوں۔"

"ہاں' ہاں ہاں۔" دادی گویا میری بات سمجھ چکی تھیں' سو اسی لیے اثبات میں سر ہلانے لگیں۔ میں نے ایبک سے کہہ کر ایک نرس کا بندوبست بھی کروا لیا تھا۔ یہ نرس بہت اچھی تھی۔ بیوہ عورت تھی۔ دادی کی جی جان سے دیکھ بھال کرنے لگی۔ انہیں نہلاتی' دھلاتی...... روزانہ نیا سوٹ پہناتی احتیاط سے کھانا کھلاتی تھی۔ وقت پر دوا دیتی۔

دادی کو خوش باش اور بہتر حالت میں دیکھ کر مجھے لگتا تھا گویا میرے ذہن سے بوجھ ہٹ گیا ہے۔ اسی طرح ماما کا کمرا ابھی ابتری کا شکار تھا مگر پھر میرے ہاتھوں نے اس کمرے کو بھی سنوار کر ہی چھوڑا تھا۔ ماما نے بھی مجھے اپنی من مانی کرنے دی تھی۔ دادی کی طرح انہوں نے بھی خاموشی سے مجھے سراہا ضرور تھا اور میرے سر پر پہلے دن کی طرح ہاتھ رکھ کر خاموش سی دعا دی اور پھر تسبیح کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔

گھر کا اندرونی نظام میرے ہاتھ میں کیا آیا' نہ صرف گھر میں سلیقہ نظر آنے لگا بلکہ کچن کے اخراجات بھی نہ ہونے کے برابر ہو گئے تھے۔ راشن ختم ہونے کا نام نہیں لیتا تھا۔ اور جو پیسے بھی مختلف بلز اور راشن کے لیے ایبک دیتا تھا۔ ان میں سے بھی کافی بچ جاتے تھے۔ حالانکہ پہلے پہل مہینے میں دو دو دفعہ راشن آتا تھا۔ جوں ہی میں نے یہ بات نجمہ بی سے کی تو وہ ٹھنڈے لہجے میں بولیں۔

"بٹو! میں بھلا کیا کروں...... کیف باؤ' راشن اور بل وغیرہ کے پیسے مجھ سے لے جاتے تھے۔ مگر نہ بل ادا ہوتا تھا اور نہ ہی راشن آتا۔ مجبوراً" میں پھر ایبک سے پیسے مانگنے کھڑی ہو جاتی تھی۔" نجمہ بی سچ ہی تو کہہ رہی تھیں۔ انہیں بھلا اس بڑھاپے میں جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔

"اگر کیف کو پیسے چاہیے ہوں تو ایبک سے مانگے۔ گھر کے اخراجات میں سے پیسے کیوں لیتا ہے۔" میں الجھ کر رہ گئی۔

"ان ہی کے پیسے ہیں جی' جہاں سے مرضی لیں۔ ہم تو اس معاملے میں بول نہیں سکتے۔" وہ ہاتھ جھاڑ کر کھڑی ہو گئی تھیں۔

"بٹو! میں ذرا آرام کر لوں...... اللہ تمہیں سکھ دے' جب سے آئی ہو۔ میری بوڑھی ہڈیوں کی بچت ہو گئی ہے۔" وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں' تمام زندگی ان کا اسی گھر میں قیام رہا تھا۔ آگے' پیچھے کوئی تھا نہیں' سو ایبک' کے ابا قیوم انہیں اپنے گھر لے آئے تھے۔ یہ ان کی خاندانی ملازمہ تھیں۔

میں اٹھ کر کچن میں آ گئی۔ رات کے کھانے کی تیاری کرنا تھی مگر مما کی فون کال نے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ فون بند کر کے ابھی کچن میں قدم رکھا ہی تھا' جب کیف آندھی طوفان کی طرح چلا آیا۔

"نجمہ بی کہاں ہیں؟" مجھے دیکھ کر وہ ٹھٹک گیا تھا۔

"وہ آرام کر رہی ہیں۔" میں چکن کا پیکٹ کھول کر گوشت کا حساب لگا رہی تھی کہ ایک پیکٹ سے رات کے لیے سالن بن سکے گا۔

"اور تم کیا کرنے لگی ہو؟"
"کھانے کی تیاری۔" میں نے ایک اور پیکٹ فریزر میں سے نکالتے ہوئے بتایا۔
"یہ کام نجمہ بی کے سپرد ہی رہنے دینا تھا۔"
"کیوں؟ میں نہیں کر سکتی کیا؟" میں نے چونک کر پوچھا۔
"بہت اچھا کرتی ہو۔ مگر، خیر چھوڑو۔ یہ بتاؤ، تم نے اور ایبک نے ہنی مون کے لیے نہیں جانا۔" وہ کچھ کہتے کہتے بات پلٹ گیا تھا۔
"نہیں بھلا ہنی مون کے لیے جانا ضروری ہے؟"
"بہت ضروری ہے۔ تم لوگوں کو کہیں گھومنے پھرنے ضرور جانا چاہیے۔" وہ اسٹول کھینچ کر بیٹھ گیا تھا۔ یعنی اس کا ابھی مزید گفتگو کرنے کا ارادہ تھا۔
"تمہیں ایبک سے بات کرنا چاہیے تھی۔" وہ مجھے اکسا رہا تھا۔
"دیکھوں گی..... ایبک فارغ ہوں گے، تب ہی تو کہیں جائیں گے نا۔" میں نے ٹوکری میں سے پیاز نکال کر چھیلنا شروع کر دی تھی۔
"اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرو گی تو پھر یوں ہی بیٹھی رہ جاؤ گی۔ وہ نہیں فارغ ہونے والا۔ یہ کاروبار، یہ روپیہ پیسہ اسے جان سے زیادہ پیارا ہے۔ ادھر ادھر ہونے کے بارے میں وہ سوچ بھی نہیں سکتا۔ اب یہ تمہاری محبت پر منحصر ہے کہ تم اپنی بات اس سے منوا سکتی ہو یا نہیں۔" وہ بڑے عجیب سے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "اگر تو تمہاری محبت کا پلڑا بھاری ہوا، پھر تو سمجھو تم کامیاب ہو گئیں۔"
"مجھے ایبک کی محبت پر شک نہیں ہے۔ اگر وہ فارغ ہوئے تو ضرور میری بات مان لیں گے مگر۔ مجھے ان کی ذمہ داریوں کا احساس ہے۔ سو اس لیے میں اپنی وجہ سے ایبک کو پریشان نہیں کر سکتی۔" میرا انداز دو ٹوک قسم کا خاصا اور روکھا تھا۔ تب ہی تو کیف کا لہجہ بھی بدل گیا اور گفتگو کا انداز بھی۔
"اتنی مشرقیت کا اظہار کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ وہ ویسے ہی تمہارے دام میں پھنس چکا ہے۔"

"کیف!" میں اس کے الفاظ سن کر دنگ رہ گئی تھی۔
"تم کس قسم کی لینگویج یوز کر رہے ہو؟"
"میں نے کچھ غلط کہا؟" وہ فوراً" معصوم بن گیا تھا۔
"میرے بھائی کو محبت کے دام میں الجھا تو لیا ہے۔ ویسے میں چاہتا بھی یہی تھا۔"
"کیف! ذرا سوچ سمجھ کر بات کرو۔ میں اس وقت تمہاری بڑی بھابھی ہوں۔ میرا اور تمہارا رشتہ بدل چکا ہے۔" میں نے بمشکل اپنا غصہ ضبط کیا تھا۔
"ہماری دوستی کا رشتہ تو ابھی تک قائم دائم ہے۔ دوست ہونے کے ناتے تم میرا ساتھ دو گی نا۔" وہ اتنے کھردرے لہجے میں بولا تھا کہ میرا دل کانپ کر رہ گیا۔
"کون سی دوستی؟"
"وہ ہی جو میرے تمہارے درمیان تھی۔" وہ چبا چبا کر بولا۔
"تم آخر چاہتے کیا ہو؟" میں اس کے بدلتے انداز دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی۔ وہ مذاق کے رنگ میں بات نہیں کر رہا تھا۔ اس کا لہجہ گہرا طنزیہ، کاٹ دار قسم کا تھا۔ میری ریڑھ کی ہڈی سنسنا اٹھی۔
"اب کیا ہے نا، دانش مندانہ سوال..... میں بھلا کیا چاہتا ہوں۔" وہ دھیرے سے مسکرایا تھا اور پھر بولنے لگا۔ اور میرا رنگ لحہ بہ لحہ فق ہوتا جا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

نیما اور سمی بھی ان دنوں اپنے حجرے سے باہر نکل آئی تھیں اور حیرت انگیز بات یہ تھی کہ دونوں نے گھریلو امور میں دلچسپی لینا شروع کر دی تھی۔ اگر میں کپڑے دھونے کے لیے مشین لگاتی تو سمی یا نیما فوراً" ساتھ دینے کے لیے آجاتی تھیں۔ اسی طرح اگر میں سالن پکا رہی ہوتی تو نیما برتن دھونے کھڑی ہو جاتی۔ آٹا گوندھ دیتی۔ حتیٰ کہ روٹی بھی پکا دیتی۔ نجمہ بی کی گویا چھٹی ہو گئی تھی۔ اب وہ صرف سودا سلف لا کر دیتی تھیں۔
دوسری طرف سمی کپڑے استری کرتی۔ مردوں کے الگ رکھتی۔ خواتین کے الگ رکھے جاتے۔ ان

دونوں کی شخصیت میں در آنے والی تبدیلیوں نے فائز اور عون کو بھی چونکا دیا تھا اور وہ ان دونوں کے سدھر جانے کا تمام تر کریڈٹ مجھے دیتے تھے۔
ادھر کیف کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ سب گھر والے اس طرح سے میرے گرویدہ ہو جائیں گے۔ ماما اور دادی کچھ کہتی تو نہیں تھیں مگر ان کی آنکھوں میں موجود شکر گزاری کے رنگ میری نظروں سے اوجھل نہیں تھے۔
نیما اور سمی فیشن سے لے کر اسکن کی کیئر تک ہر مشورہ مجھ سے لینے کے لیے بھاگی بھاگی چلی آتی تھیں۔ ان کے خیال میں میرے پاس معلومات کا بہت بڑا خزینہ موجود ہے اور میں بڑے شہر سے آئی تھی سو مجھے ہر فیشن کے بارے میں علم تھا۔ یہ تو نیما اور سمی کی سادگی تھی حالانکہ مجھے بدلتے فیشن کا کچھ پتا نہیں تھا مگر میں غالی سے مفید مشورے لے کر انہیں معلومات فراہم کرتی رہتی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ دونوں میرے اور بھی قریب آگئی تھیں۔
ان کا زیادہ وقت اب میرے ساتھ گزرتا تھا۔ مل جل کر جھٹ پٹ کام بھی ہو جاتے تھے۔ گھر بھی صاف ستھرا ہو جاتا تھا اور پھر کافی دیر گپ شپ بھی چلتی رہتی۔ وہ دونوں صرف سونے کے لیے اپنے کمرے میں جاتی تھیں۔ زیادہ تر لاؤنج میں ہی بیٹھی رہتیں۔
اس دن بھی سمی اپنی بچی کا مجھ سے پوچھ پوچھ کر فراک سی رہی تھی اور ساتھ ساتھ باتیں بھی کر رہی تھی۔ ایک دم میں نے میگزین ہاتھ سے رکھ کر کچھ سوچتے ہوئے سمی سے پوچھا۔
"بہت دن ہوئے کیف گھر نہیں آیا۔"
"وہ گھر کہاں آتا ہے۔ زیادہ تر شہر سے باہر ہی رہتا ہے۔" وہ احتیاط سے سوئی میں دھاگہ ڈالتے ہوئے بولی۔
"مگر کیوں؟" میں حیران ہوئی۔ جب سے میں آئی تھی۔ کیف کا یہی معمول دیکھ رہی تھی۔ تاہم میں نے ایبک سے بھی نہیں پوچھا تھا کہ کیف کہاں جاتا ہے۔

"پتا نہیں۔" صاف لگ رہا تھا وہ ٹالنے کی کوشش میں ہے۔
"کیوں پتا نہیں؟ یہ کہو، مجھے بتانا نہیں چاہتیں۔" میں نے جذباتی بلیک میلنگ کا سہارا لیا تھا اور میری ناراضی کے خیال سے وہ فوراً" بول اٹھی۔
"نہیں بھابھی! ایسی بات نہیں۔" وہ کچھ گھبرا گئی تھی۔ "دراصل پہلے ایبک بھائی اور کیف کی کبھی بنی نہیں تھی۔ کیف ہر وقت ایبک بھائی سے جھگڑتا رہتا تھا اور یہ جھگڑا شدت اختیار کر جاتا تھا۔ بات ہاتھا پائی تک پہنچ جاتی تھی۔ ایک دفعہ کیف نے غصے میں ایبک بھائی کا سر پھاڑ دیا تھا۔ ایک دفعہ گولی بھی چلا دی تھی۔ مگر یہ کافی سال پرانی بات ہے۔ اب تو اس نے ایبک بھائی سے صلح کر لی ہے۔ پہلے سے کافی بدل گیا ہے، ورنہ تو ہر وقت خون سوار رہتا تھا اس کے سر پر..... پھر جب اس نے بتایا کہ وہ ایبک بھائی کے لیے لڑکی پسند کر چکا ہے۔ تو ہم سب حیران رہ گئے اور زیادہ حیرانی اس وقت ہوئی تھی جب ایبک بھائی نے اس کی پسند کی لڑکی سے شادی بھی کر لی۔
ان دنوں ہم لوگ ایبک بھائی کے لیے لڑکیاں دیکھ رہے تھے۔ عون کا خیال تھا۔ ایبک بھائی کے ساتھ گل مناسب رہے گی مگر کیف کو گل پسند نہیں تھی اور یہ ہماری اور ایبک بھائی کی خوش نصیبی تھی کہ آپ ہمیں مل گئیں۔ دراصل پہلے پہل ہمارے ذہن میں تھا کہ آپ بہت مغرور اور نک چڑھی ہوں گی۔ اسی لیے میں اور نیما آپ سے ذرا دور دور ہی تھیں مگر آپ تو ہماری سوچوں کے بالکل برعکس نکلی ہیں۔"
وہ سادگی بھرے لہجے میں بتاتی چلی گئی تھی۔
"کیف کا جھگڑا ایبک کے ساتھ کس بات پر تھا؟" میں نے سوچوں کے بھنور سے نکل کر پوچھا۔
"یہ تو مجھے نہیں پتا۔ میرے آنے سے پہلے کی بات ہے۔"
"نیما کو پتا ہو گا؟" میں نے سمی سے پوچھا۔
"نہیں، میرے خیال میں نجمہ بی جانتی ہیں۔"

"اب تو ان کے درمیان کوئی لڑائی نہیں؟" میں اپنی تسلی کے لیے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں، بالکل بھی نہیں۔ ایبک بھائی تو مزاجاً" بھی اور دل کے بھی بہت اچھے ہیں۔ کیف جذباتی اور غصہ ور ہے۔ تاہم ایبک بھائی نے کبھی بات نہیں بڑھنے دی۔"

وہ فراک سی چکی تھی۔ اب سامان سمیٹ رہی تھی اور میں گہری سوچوں میں ڈوب ابھر رہی تھی۔ دراصل میرا ذہن بری طرح سے الجھ چکا تھا۔

"آخر کیف نے مجھے کس مقصد کے لیے استعمال کیا ہے؟ مجھے ایبک کے لیے پسند کرنا۔ حق مہر میں اتنی بھاری جائیداد لکھوانا۔" میرا ذہن ایک نقطے پر آکر ٹھہر چکا تھا۔ "بہرحال جو بھی ہے۔ کیف قیوم اپنے گھر والوں سے لے کر ایبک تک، سب کو دھوکا دے سکتا تھا مگر مجھے نہیں۔ میں یعنی ساجیہ مراد اس کے جال میں کبھی نہیں پھنس سکتی اور میرا یہ خود سے عہد تھا کہ اس ساری پلاننگ کی وجہ آخر جان کر ہی رہوں گی۔" میں نے دل ہی دل میں سوچا تھا اور پھر مطمئن ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

یہ اس دن کی بات ہے، جب ایبک کام کے سلسلے میں شہر سے باہر گیا تھا اور ٹھیک اسی شب کیف چلا آیا۔ اس کے انداز آج کافی بدلے بدلے لگ رہے تھے۔ یوں لگتا تھا وہ کوئی فیصلہ کر کے آیا ہے۔ میں اس وقت کچن میں تھی اور وہ میرے پیچھے کچن میں ہی چلا آیا۔

"مجھے تم سے ضروری بات کرنا ہے۔" اس کا انداز پھاڑ کھانے والا تھا۔ میری چھٹی حس نے فوراً" مجھے چونکا دیا۔

"کون سی بات؟"

"میرے ساتھ آؤ۔" اس کے دھونس بھرے انداز نے مجھے بے حد غصہ دلایا تھا مگر میں پھر بھی ضبط کر گئی۔

"کہاں؟"

"بیٹھک میں..... مجھے تم سے تنہائی میں بات کرنا ہے۔"

"جو کہنا ہے۔ یہیں کہہ دو۔" میں پھر سے اپنے کام میں مصروف ہو گئی تھی۔ وہ کچھ دیر سوچتا رہا تھا۔ پھر بڑے پُراسرار انداز میں بولا۔

"میرے ساتھ ایک ڈیل کر لو۔"

"کیسی ڈیل؟" اب کے میں سچ مچ ٹھٹک گئی تھی۔ بات معمولی نوعیت کی نہیں تھی۔ میرا دل خوف کے مارے سکڑنے لگا۔

"یہ گھر تمہارے نام ہو چکا ہے اور ایبک کی دو فرنچائز بھی..... تم ان کے کاغذات قانونی طور پر میرے نام کر دو۔" اس نے گویا بڑے اطمینان سے آگ پر پٹرول کے چھینٹے پھینکے تھے۔

"کیا مطلب؟" میں چیخ اٹھی۔

"چلاؤ مت، میری بات آرام سے سنو۔ میں نے یہ تمام کوششیں اسی وجہ سے کی تھیں۔ مجھے ایبک کا اور تمہارا اعتماد جیتنا تھا اور پھر اپنا مقصد پورا کرنا تھا۔ پہلے میں نے سوچا تھا کہ یوسما کے ذریعے اپنے کام کو پایہ تکمیل تک پہنچاؤں گا مگر پھر اپنی زندگی کی پہلی اور بڑی خوشی کو کھو دینے کے خوف نے مجھے تم تک پہنچا دیا۔ میں یوسما کو ایبک کے نکاح میں دے کر کوئی رسک نہیں لے سکتا تھا۔ حالانکہ یوسما کے ذریعے ایبک کی ساری پراپرٹی مجھے مل سکتی تھی۔ اب تو صرف اس گھر کی اور دو فرنچائز کی بات ہے۔ بہرحال تم مجھے تمام کاغذات دے دو۔ علاوہ ازیں نتائج کی ذمہ داری تم ہی پر ہو گی۔ میں تمہارے اردگرد ایک جال بن دوں گا۔ تم اس جال سے نکل نہیں پاؤ گی۔"

وہ گویا زخمی سانپ کی طرح پھنکار رہا تھا اور میرے قدموں کے نیچے سے زمین دھیرے دھیرے سرکنے لگی تھی۔

"تم دھوکے باز ہو کیف! تم نے مجھے ہی نہیں، اپنے بھائی کو بھی دھوکا دیا ہے۔ جس کے ساتھ تمہارا خون کا تعلق ہے۔ مجھے افسوس ہے، تمہاری گندی ذہنیت پر، لالچ پر، کمینگی دکھانے پر۔" میں گویا غصے کے عالم میں پھٹ پڑی۔

"کچھ بھی کہہ لو۔ کاغذات تو تمہیں دینے ہی پڑیں گے۔" اس نے گویا آنکھیں ماتھے پر رکھ لی تھیں۔

"اور اگر نہ دوں تو؟"

"تو پھر اپنی تباہی کے لیے تیار ہو جانا۔ میں ایبک کو صاف لفظوں میں بتا دوں گا کہ تم میری محبت میں گرفتار تھیں اور میرے مجبور کرنے پر تم ایبک سے نکاح کرنے پر تیار ہوئی تھیں تاکہ ایبک کی دولت ہم دونوں ہتھیا لیں۔ تمہارے پاس موجود کاغذات تمہاری لالچ کے گواہ ہیں — ایبک کو مزید یقین دلانے کے لیے میں تمہاری اور اپنی دوستی کا قصہ بھی سنا دوں گا۔ ایک دو گواہ بھی پیش ہو جائیں گے۔ پھر تم کیا کر سکو گی؟"

وہ گویا استہزائیہ مسکرا رہا تھا۔ میری بے وقوفی کا مذاق اڑا رہا تھا۔ اس نے مجھے ہی نہیں، ایبک کے ساتھ بھی دھوکا کیا تھا اور نجانے اس نے مزید کیا کچھ کرنا تھا۔ میرا دل خوف کے مارے پھڑپھڑا رہا تھا مگر میں نے خود کو کمزور ظاہر نہیں ہونے دیا۔

"میں تمہیں کبھی بھی کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔ یہ میرا خود سے وعدہ ہے۔ دھوکے باز اور فریبی لوگوں کو ان کے انجام تک پہنچا کر رہوں گی۔ تم نے رشتوں کے تقدس کا بھی خیال نہیں رکھا۔ کیا اتنے سال کالج اور یونیورسٹی میں یہی سیکھتے رہے ہو؟"

"زیادہ بڑبڑ کرنے کی ضرورت نہیں۔ خوب سوچ سمجھ لو۔ ورنہ اپنی بربادی کے لیے تیار ہو جاؤ۔" کیف نے گویا آخری وارننگ دی تھی۔

"تم ایسا کیوں کرنا چاہتے ہو۔ اگر جائیداد کا کوئی جھگڑا ہے تو ایبک سے کہو۔ اس میں بھلا میرا کیا قصور ہے۔" میں گویا تھک کر بولی تھی۔

"اگر وہ آرام سے مان جاتا تو پھر مجھے اتنی بڑی پلاننگ کی بھلا کیا ضرورت تھی۔ ہمارے حق پر قبضہ جما رکھا ہے۔ اور ہمیں اپنے کاروبار میں تنخواہ دار ملازم رکھنا چاہتا ہے۔ مائی فٹ! اس کی چاکری کرتی ہے میری جوتی۔ اسے ہر صورت مجھے برابر کا حصہ دار بنانا ہو گا ورنہ میں ہر حد سے گزر جاؤں گا۔" وہ دہاڑ کر بولا۔

"آئم سوری کیف! میں تمہاری بات نہیں مان سکتی۔ مجھے اپنے شوہر کا اعتبار اور مان عزیز ہے۔ میں اس کے اعتماد کا خون نہیں کر سکتی۔" میرے دو ٹوک فیصلہ کن انداز نے اسے بھڑکا کر رکھ دیا تھا۔ وہ مجھے دھمکیاں دے رہا تھا۔

"میں تمہیں ایبک کی زندگی سے نکال پھینکوں گا۔" وہ غصے کے مارے کف اڑا رہا تھا۔

اور پھر اس نے اپنا کہا سچ کر دکھایا۔ وہ مجھے ایبک کی زندگی سے باہر نکال چکا تھا۔ یہ اسی مان، اعتبار اور اعتماد کو بچانے کا نتیجہ تھا، جو میں اپنی ماں کے گھر واپس آچکی تھی۔ ایبک نے کچھ زیادہ تو نہیں کہا تھا مگر اس کے چند الفاظ نے میرے جسم سے گویا جان تک نکال لی تھی۔

"مجھے دکھ ہوا ہے ساجیہ! میرا دل اس وقت صدمے کے زیر اثر ہے۔ میں تمہارے ساتھ سختی سے پیش نہیں آنا چاہتا۔ تم ابھی چلی جاؤ، ڈرائیور باہر منتظر ہے۔ اگر میں اس صدمے اور دکھ کی کیفیت سے سمجھوتا کر کے سنبھل گیا تو تمہیں لینے آجاؤں گا۔ ورنہ ہمارے راستے جدا ہیں۔ تم وہ کاغذات بھی ساتھ لے جانا۔ میں تحفہ دے کر واپس لینے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

دھیما لہجہ، جھکی آنکھیں اور ضبط کی سرخیوں سے سجا چہرہ..... اس نے نہ وضاحت طلب کی تھی اور نہ ہی مجھے خود سے دور کرنے کی وجہ بتائی..... مگر میں جان تو چکی تھی کہ کیف کی خود غرضی اور کمینگی رنگ لے آئی ہے۔

میں نے اسی شب سامان باندھا تھا اور خالی دل لیے ایبک کے گھر سے نکل آئی۔ اپنے پیچھے دادی، ماما اور نیما سمی کو منتظر اور روتا چھوڑ کر..... مگر پورے ڈیڑھ ہفتے بعد بھلا کیا ہوا؟

☼ ☼ ☼

"آپ....." میں نے پردے برابر کر کے پیچھے مڑ کر دیکھا تو گویا پتھر ہو گئی تھی۔ ایبک عین میرے پیچھے کھڑا تھا۔ وہ کب دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوا تھا، مجھے

قطعاً "خبر نہیں ہو سکی۔ اپنی تلخ اور زہریلی سوچوں میں گم کھڑکی کے سامنے کھڑے کھڑے میری ٹانگیں گویا شل ہو کر رہ گئی تھیں۔

"ہاں، میں..... کیا تمہیں امید نہیں تھی کہ میں واپس آؤں گا۔" وہ ہی مخصوص نرم اور دھیما لہجہ۔ میرے دل کی دھڑکنیں اول روز کی طرح بے ترتیب ہو گئی تھیں۔

"جس طرح مجھے گھر سے نکالا تھا۔ بھلا کوئی امید باقی رہ گئی تھی کیا؟" نجانے کہاں سے ڈھیروں آنسو میری آنکھوں میں خود بخود اتر آئے تھے۔

"وہ وقت اور لمحے ہی کچھ ایسے تھے۔ ابھی تک اپنے ان الفاظ پر پچھتا رہا ہوں مگر میں بھی بھلا کیا کرتا' کیف نے کہانی ہی کچھ اس طرح سے سنائی تھی کہ اس کے حرف حرف پر اعتبار آ گیا۔ تم سے کچھ پوچھا ہی نہیں۔ یہی میری سب سے بڑی نادانی تھی جس پر ابھی تک پشیمان ہوں۔ جو کچھ وہ بتا رہا تھا' میری طرح کوئی بھی آدمی ان باتوں کے جال میں پھنس سکتا تھا۔" وہ سر جھکائے دھیمی آواز میں کہہ رہا تھا۔

"آپ نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔" میں ابھی لفظوں کو ترتیب دے رہی تھی جب ایبک نے ہاتھ اٹھا کر مجھے روک دیا۔

"پلیز ساحی! پہلے میری بات سن لو۔ پھر جو کچھ کہو گی' میں سنتا رہوں گا۔ جو سزا سناؤ گی۔ مجھے منظور ہو گی۔" وہ بہت دیر تک سوچتا رہا تھا۔ گویا کہہ دینے یا نہ کہنے کے درمیان الجھ رہا تھا۔ پھر جب بولا تو آواز میں ہمیشہ والا ٹھہراؤ تھا۔

"بات کہاں سے شروع کروں..... بہت پہلے سے' جب میں چوہدری قیوم کے آنگن میں کھیلنے والا پہلا بچہ تھا۔

پورے آٹھ سال تک میں پہلا اور آخری بچہ ہی رہا تھا۔ اس دوران میرا کوئی اور بھائی اس دنیا میں نہیں آیا۔ میرے دادا کے لیے یہ بات خاص تشویش ناک تھی مگر انہوں نے مجھ پر ہی گویا صبر کر لیا تھا۔ ان کی مجھ سے محبت کوئی ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ وہ مجھے اپنی زندگی کی واحد خوشی سمجھتے تھے۔ دراصل بات یہ تھی کہ میں گونگے والدین کی اولاد تھا۔ میری ماں اور باپ دونوں قوت گویائی سے محروم تھے۔ میرے ابا' دادا کی اکلوتی اولاد تھے۔ ان کی زمینوں اور کارخانے کے اکلوتے وارث۔

ان کے ہاں' میں پہلا صحت مند بچہ پیدا ہوا تھا۔ میرے دادا کے لیے میری پیدائش ہفت اقلیم کی دولت کے برابر تھی۔ انہوں نے جی بھر کے میرے ناز اٹھائے تھے۔ مجھے بے تحاشا محبت سے نوازا تھا۔ میں ان کی محبت کے حصار میں خود کو ہمیشہ محفوظ سمجھتا تھا مگر یہ حصار تب ٹوٹ کر بکھر گیا جب میرے دادا اس دنیا سے چلے گئے مگر جانے سے پہلے وہ اپنی ساری جائیداد میرے نام کر گئے تھے۔ اور ان کے چلے جانے کے بعد یکے بعد دیگرے میرے چار اور بھائی پیدا ہوئے۔ اور پھر ہمارے ابا معمولی سے بخار میں چل بسے۔ تب میں کافی سنبھل چکا تھا اور کچھ وقت کی سختیوں نے مجھے اچھی طرح سے سارے سبق پڑھا دیے تھے۔

میں نے تعلیم کے ساتھ ساتھ کاروبار سنبھال لیا تھا۔ تب کیف بہت ناسمجھ اور نادان تھا اور میری نظر میں تو بالکل بچہ تھا۔ مجھے اپنی ماں اور بھائیوں سے بہت محبت ہے۔ اسی محبت نے مجھ سے بے تحاشا جدوجہد کروائی۔ میں نے اپنے قوت بازو پر' اپنی محنت اور جدوجہد سے اپنا گھر بنایا تھا۔ چار فرنچائز خریدیں۔ ایک دم سے سارا کچھ نہیں ہو گیا تھا۔ بے تحاشا محنت اور قربانیوں کے بعد میں اپنا ایک نام بنا پایا تھا۔

تب کیف پڑھنے کے لیے ہاسٹل میں مقیم تھا اور ماما کی کسی کزن کے گھر بھی اس کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔ انہی کی بیٹی یوسما سے وہ شادی کرنے کا ارادہ بھی رکھتا تھا۔ اس بات سے میں اچھی طرح واقف تھا۔ مگر ہوا کچھ یوں کہ ہماری رشتے کی اس خالہ نے یعنی یوسما کی ماں نے میرے خلاف کیف کے دل میں زہر بھرنا شروع کر دیا تھا۔

وہ چاہتی تھیں کہ کیف اپنے حصے کی جائیداد لے کر ان کے پاس آ جائے اور جب میں نے ایمان داری کے ساتھ قانونی طور پر اپنے چاروں بھائیوں کو دادا کی جائیداد کا حصہ دار بنایا تو ہم سب کے حصے میں تھوڑی تھوڑی سی پراپرٹی آئی۔ یہی بات ہماری خالہ کو بھڑکا گئی تھی۔ ان کی نظر میرے کاروبار پر تھی اور وہ چاہتی تھیں کہ میں اپنے بزنس میں سے بھی کیف کو حصہ دوں۔ ظاہر ہے' میں نے انکار کر دیا تھا۔ بعد میں کیف مجھ سے بدگمان ہو گیا۔ میرے ساتھ جھگڑتا رہا۔ بات خون خرابے تک آ گئی تھی۔ میں کیف کو حصہ دار بنا بھی لیتا اگر بیچ میں خالہ اور ان کی بیٹی نہ ہوتی۔

یہ مسئلہ ضد اور انا کا بن گیا تھا۔ میری اور کیف کی ناراضی چل رہی تھی۔ ایک دن وہ خود میرے پاس چلا آیا۔ اپنی گزشتہ غلطیوں کی معافی مانگتا رہا تھا میں نے بھی کھلے دل سے اسے معاف بھی کر دیا۔ ہمارے پہلے کی طرح تعلقات بحال ہو گئے تھے۔ مجھے نہیں خبر تھی کہ یہ سب ایک سازش اور منصوبے کی کڑی ہے۔

پھر ایک دن اس نے مجھے بتایا کہ وہ پھوپھو کے پڑوس میں قیام پذیر فیملی سے خاصی انڈر اسٹینڈنگ رکھتا ہے اور ان کی بیٹی کو وہ میرے لیے پسند کر چکا ہے۔ ہمارے گھر میں کوئی عورت ایسی نہیں تھی جو ہمارے اس طرح کے معاملات نمٹاتی۔ فائز اور عون کی شادیوں کے تمام معاملات اسی نے ہی دیکھے تھے۔

اگرچہ فائز اور عون نے لو میرج کی تھی۔ دوران تعلیم ہی دونوں پر شادی کا بھوت سوار ہو گیا تھا۔ بہرحال جو بھی تھا' احسن طریقے سے ان کی شادیاں ہو گئی تھیں۔ ماما کی ساری ذمہ داریاں کیف نے ہی نبھائیں۔

ادھر کیف نے مجھے جو کچھ تمہارے بارے میں بتایا تھا۔ مجھے لگا' تم میرے آئیڈیل کا ایک حصہ ہو۔ میرے دل نے تمہارے حق میں فیصلہ دے دیا تھا اور میں بغیر دیکھے ہی تمہاری سادگی اور معصومیت کا اسیر ہو گیا۔

میں جانتا تھا کہ ہماری ماں ایسے معاملات نہیں دیکھ سکتی۔ جو کچھ کرنا تھا کیف نے ہی کرنا تھا اور وہ اپنی پلاننگ کے تحت سب کچھ کرتا رہا اور میں اپنی سادہ دلی میں اس سے ہمیشہ دھوکا کھاتا رہا۔

شادی کے سلسلے میں ہونے والے اخراجات کے لیے جب رقم کم پڑ گئی تو وہ دوبارہ مجھ سے پیسوں کا مطالبہ کرنے لگا۔ اگر مجھے سمجھنا ہوتا تو میں تب ہی سمجھ جاتا مگر میں نے شک اور بدگمانی کو کبھی دل میں جگہ نہیں دی تھی۔ پھر حق مہر کے طور پر اتنی بھاری جائیداد پر کیف کی ضد اور اصرار..... میں حیران ضرور ہوا تھا مگر چونکا پھر بھی نہیں۔ میں نادانستگی میں وہ ہی سب کچھ کرتا رہا' جو وہ مجھ سے کروانا چاہتا تھا۔

میرے لیے سب سے بڑا انعام تم تھیں ساحیہ! ایسا انعام جو مجھے کیف کے توسط سے ملا۔ میں تمہاری سادگی اور معصومیت کا اسیر ہو گیا تھا۔ مجھے تم سے اور تمہارے خالص جذبوں سے بھرے دل سے محبت ہو گئی تھی۔ تب کیف نے سوچا کہ بازی الٹتی جا رہی ہے اور وہ اس بازی کو اپنے حق میں کرنے کے لیے بے صبری کا مظاہرہ کر گیا یعنی تمہارے ساتھ دو بدو گفتگو کر کے۔ ایسی گفتگو جو میں نے من و عن سن لی تھی اور پھر مجھے بھی سنا دی۔ میں حیران ہوتا ہوں کہ لوگ اپنے زرخیز دماغ کو لوگوں کے گھر اور دل اجاڑنے کے لیے کیسے استعمال کر لیتے ہیں۔

قصہ مختصر یہ کہ میرے دل میں شک کی آگ جلا کر خود وہ اپنے دل کو آباد کرنے گیا تھا مگر ہماری لالچی اور خود غرض خالہ نے کل رات یوسما کو ایک کروڑ پتی سیٹھ سے بیاہ دیا اور کیف قیوم کے دل پر گویا شام غریباں اتر آئی۔ اس صدمے میں وہ بائیک سے ٹکرا کر اپنی ٹانگ تڑوا بیٹھا۔ ادھر آنے میں اسی لیے دیر ہو گئی تھی کہ مجھے اس کے پیچھے ہسپتال جانا پڑا۔

دیکھو' ساحی! مجرم تو وہ ہم دونوں کا ہے مگر میں نے اسے تمہاری طرف سے بھی معاف کر دیا ہے۔ کیا کروں' میری قوت گویائی سے محروم ماں' بول نہیں

سکتی، مجھے حکم نہیں دے سکتی۔ مگر اس کی آنکھوں کی التجا کو لوٹا دینا میرے بس میں نہیں ہے اور میری ماں کی خواہش ہے کہ جب میں واپس آؤں تو تم بھی میرے ساتھ ہو۔ کیا تم میری ماں کی خواہش پوری کرو گی؟"

وہ آنکھوں میں آس کے دیے سجائے منتظر کھڑا تھا۔ میری ایک ہاں نے اس کے چہرے کو تابناکی بخش دینا تھی۔ مگر میں بھی پورے ایک ہفتے کی ناراضی کا حساب لیے بغیر اسے معاف نہیں کر سکتی تھی۔ اگرچہ ایبک مجرم نہیں تھا۔ مجرم تو وہ تھا، جو لالچ میں اور پوسما کے حصول کی خاطر خون کے رشتوں کو کھو دینے والا تھا۔ اب اس مجرم کو بھلا اور کیا سزا دی جانی تھی۔

بے چارا دل تڑوانے کے ساتھ ساتھ ٹانگ بھی تڑوا چکا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ وہ پشیمان تھا، شرمندہ تھا۔ سو میں نے سوچا تھا کہ ایک پشیمان کو بھلا اور پشیمان نہ ہی کیا جائے تو بہتر ہے۔

مگر ایبک کو ستانے کا میں پورا پورا ارادہ رکھتی تھی۔ سو اسی لیے خود پر ناراضی کا خول چڑھائے بولی۔

"میں آپ کو معاف نہیں کر سکتی ایبک! آپ واپس چلے جائیں۔ میں اپنی انسلٹ نہیں بھول سکتی۔ آپ نے بغیر وضاحت لیے مجھے گھر سے کیوں نکالا؟"

"مجھے معاف کر دو ساحی! میں واقعی شرمندہ ہوں۔" ایبک میرے چہرے کے تاثرات دیکھ کر گھبرا اٹھا۔ وہ ہر صورت مجھے منانا چاہتا تھا مگر مسئلہ یہ تھا کہ ایبک کو منانا آتا ہی کہاں تھا اور ابھی وہ اسی سوچ میں گم تھا کہ مجھے کیسے منائے کہ اچانک دھاڑ سے دروازہ کھلا اور سمی اور نیما کمرے میں داخل ہو کر مجھ سے لپٹ گئیں۔

"ہم آپ کو زبردستی اٹھا کر لے جائیں گے بھابھی! اللہ کی قسم، آپ کے بغیر پورا گھر ویران ہو گیا ہے۔"

سمی اور نیما بھرائی آواز میں کہہ رہی تھیں۔ میں نے ان دونوں کی بے لوث محبت کو محسوس کرتے ہوئے ایبک کو دیکھا تو وہ معصوم صورت بنا کر بولا۔

"اللہ کی قسم! میرا دل اور کمرا بھی ویران ہے۔"

میری نظر ایبک کے چہرے سے ہٹ کر ایک اور چہرے سے الجھ گئی تھی۔ یہ چہرہ ماما کا چہرہ تھا مگر میں جانتی تھی کہ یہ خاموش آنکھیں اور اداس چہرہ کیا التجا کر رہا ہے۔ مجھے اس لمحے ٹوٹ کر اس عورت کی خاموشی پر پیار آگیا تھا۔

کچھ لوگ اس خاموشی کو پُراسراریت سمجھتے تھے مگر میں جانتی تھی، یہ پُراسراریت نہیں۔ اس خاموشی میں ایک کی ماں کا بھرم پوشیدہ ہے۔ آج بھی میرے گھر والے اس حقیقت سے ناواقف تھے۔ کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ سفینہ بیگم کیوں خاموش رہتی ہیں اور نہ ہی میں نے کسی کو بتانے کی کوشش کی تھی کہ ماما خاموش کیوں ہیں۔ وہ قوت گویائی سے محروم ہیں۔

میری سوچتی ہوئی نظر نے اس لمحے ایک مرتبہ پھر ماما کے پاکیزہ چہرے کا طواف کیا تو ان کے چہرے کی التجا میرے دل پر گویا جا لگی۔

"ساحی! چلو نا، میرا گھر اور میرے بچے کا دل سچ مچ تمہارے بغیر ویران ہے۔"

میرے دل کو ایک دم کچھ ہونے لگا تھا اور میں بھاگ کر ماما سے لپٹ گئی۔ بدگمانی کے بادل چھٹ چکے تھے۔ دلوں پر جمی گرد صاف ہو چکی تھی۔ میں نے اپنے گھر والوں اور ایبک کے گھر والوں کے چہرے پر چمکتی خوشی کو دل سے محسوس کیا تھا اور گویا کھل کر مسکرا دی۔

کالے، اودے، سرمئی، سیاہ بادلوں کے پیچھے کا منظر ..... خود بخود صاف ہو گیا تھا۔ اب ستاروں سے بھرا آسمان میرے سامنے تھا، اور میں نے کہکشاؤں کی بارات کو اپنے گھر میں اترتے دیکھا اور مسکرانے لگی۔